آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ دام ظلہ العالی

دوستی اور دوست

(قرآنِ کریم اور سنتِ معصومینؑ کی روشنی میں)

دار التعارف للمطبوعات
دار التقلین

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

DARUSSAQLAIN
P.O. Box No. 2133,
Karachi-74600 Pakistan

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: دوستی اور دوست (قرآنِ کریم اور سنتِ معصومینؑ کی روشنی میں)
تالیف: آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ دام ظلہ
ترجمہ: سید امتیاز حیدر جہانیاں پوری
نظر ثانی: سید سعید حیدر زیدی
ناشر: دار الثقلین
سن اشاعت: شعبان ۱۴۲۹ھ اگست ۲۰۰۸ء
قیمت: ۶۰ روپے

فہرست

☆عرضِ ناشر ——— ۷
☆دوستی اسلام کی نظر میں ——— ۹
دوستی قرآن کی نظر میں ——— ۱۰
مثبت دوستی ——— ۱۱
آخرت میں دوست ——— ۱۲
کن لوگوں سے دوستی کی جائے؟ ——— ۱۴
دوست کا کردار ——— ۱۵
برے دوست ——— ۱۷
دوستی اقوالِ معصومینؑ کی روشنی میں ——— ۲۱
دوست کی آزمائش ——— ۲۷
مطلوب دوست ——— ۲۸

اہل بیتؑ کے افکار ——— ۳۱

قرآن کی نظر میں ناپسندیدہ اور ناقابلِ معاشرت دوست ——— ۳۲

معصومینؑ کی نظر میں ناپسندیدہ دوست ——— ۳۶

قابلِ مذمت حبِّ ذات ——— ۳۹

قابلِ تعریف حبِّ ذات ——— ۴۰

ایسے لوگوں سے دور رہو ——— ۴۳

تمہارے دوست اور تمہارے دشمن ——— ۵۰

اسلام کا اصول ملاپ اور میل جول ہے ——— ۵۲

بدگمانی کی ممانعت ——— ۵۶

دوست بڑھانے کے طریقے ——— ۶۰

دوستی کی حدود ——— ۶۶

دوستی سے پہلے آزمائش ——— ۷۲

احادیث آزمائش کی تاکید کرتی ہیں ——— ۷۳

آزمائش کے طریقے ——— ۷۹

بہترین دوست ——— ۸۲

دوست کا حق ——— ۸۳

☆ دوستی سے متعلق سوال و جواب ——— ۹

خدا سے دوستی ——— ۹۱

شیطان دشمن ہے ——— ۹۱

دوستی سے متعلق ایک اعتراض ——— ۹۱

خوشروئی اور خندہ پیشانی ——— ۹۲
ایک دوسرے سے روٹھے ہوئے دوستوں کو نصیحت ——— ۹۴
سیاسی اختلاف ——— ۹۵
میرا ایک دوست عریاں فلمیں دیکھتا ہے ——— ۹۶
دوستی کا رنگ ——— ۹۶
اپنی حیثیت کا دفاع ——— ۹۷
گمراہ دوست ——— ۹۷
ایسے افراد کی ہم نشینی جو دل کو مردہ کر دیتے ہیں ——— ۹۸
ایک دوست کی درخواست ——— ۹۹
دوست کی ایذا ——— ۹۹
ہنسی مذاق والے دوست ——— ۱۰۰
بدنام افراد سے دوستی ——— ۱۰۱
جنسِ مخالف سے دوستی ——— ۱۰۲
تارک الصلوٰۃ کے ساتھ شراکت ——— ۱۰۳
مومنین سے محبت کا کم ہو جانا ——— ۱۰۳
دوسروں کی غلطی برداشت نہیں کر پاتا ——— ۱۰۴
بلوغ سے پہلے گناہ ——— ۱۰۵
قیافہ شناسی ——— ۱۰۶
اس سے پرہیز جس کے متعلق دل میں نفرت ہو ——— ۱۰۶
دوستوں کے درمیان اعتماد کا بحران ——— ۱۰۸

دوست کے ساتھ متفق ہونا ——— ۱۰۹
دوست کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں ——— ۱۱۰
بے نمازی کو سلام ——— ۱۱۰
مسلم جوانوں کے نام پیغام ——— ۱۱۱

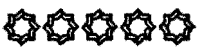

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

اسلام دین فطرت ہے' اس دین حنیف میں انسان کی تمام فطری ضروریات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ معاشرتی اور سماجی زندگی کی جانب رجحان بھی انسان کی فطری خواہشات میں سے ہے۔ معاشرتی زندگی کے استحکام' سلامتی اور شیرازہ بندی کا ایک اہم عامل اس میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کے آپسی تعلقات' ایک دوسرے سے برتاؤ اور باہمی طرزِ عمل ہے۔ انہی سماجی اور معاشرتی روابط اور تعلقات میں سے ایک ''دوستی'' کا ناطہ بھی ہے' جو انسان کی پوری زندگی پر گہری چھاپ چھوڑتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اس مسئلے کے بارے میں بھی واضح ہدایات اور رہنمایاں فراہم کی گئی ہیں۔

ابتدائے شباب میں انسان ایک حد تک آزاد اور خود مختار زندگی کا آغاز کرتا ہے اور گھر' محلے اور مدرسے سے باہر اپنے لیے دوستوں کا انتخاب کرتا ہے۔ لہٰذا اسے دوستی اور دوست کے انتخاب کے بارے میں رہنمائی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ نے اسی موضوع کا احاطہ کیا ہے اور اس بارے میں قرآنِ

کریم اور سنتِ معصومینؑ (جو ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں) میں موجود گرانقدر نکات، ہدایات اور فرامین کی روشنی میں گفتگو فرمائی ہے۔

آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ کا شمار ہمارے دور کے ان ممتاز علما میں ہوتا ہے جنہوں نے عالمِ انسانیت کو اسلام سے روشناس کرانے، مذہبِ اہلِ بیتؑ کی ترویج و اشاعت، قرآنی تعلیمات کی اساس پر مسلم نوجوانوں کی تعلیم و تربیت اور اسلامی معاشروں کی ہدایت و رہنمائی کو اپنی زندگی کا مشن بنایا ہوا ہے۔ آپ کی فکر اور جدوجہد کا مرکزی نکتہ جدید ذہن کے سامنے اسلام کو زندہ، متحرک اور زندگی کے تمام تقاضوں کا جواب دینے والے دین کے طور پر پیش کرنا ہے، تاکہ نسلِ نو اپنی زندگی میں اٹھنے والے مسائل کے حل کے لیے اس دین کے سوا کسی اور مکتب اور نظریۂ حیات کا رخ نہ کرے۔ زیرِ نظر کتاب میں بھی جناب کا یہی جذبہ موجزن نظر آتا ہے۔

امید ہے جوانانِ عزیز کتاب کے مطالعے سے مستفید ہوں گے، ہمیں ان کی رائے اور تبصروں کا انتظار رہے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَصَحْبِهُ الْمُنْتَجَبِيْنَ وَعَلٰى جَمِيْعِ أَنْبِيَائِهِ الْمُرْسَلِيْنَ.

دوستی اسلام کی نظر میں

دین اسلام نے اس بات پر خاص توجہ دی ہے کہ انسانی تعلقات اور لوگوں کے درمیان قائم باہمی رشتے' ایسی مضبوط اور پائیدار بنیادوں پر قائم ہوں جو انسان کی عقل' اسکے قلب اور اسکی پوری زندگی کو اپنے تابع کر لیں۔ کیونکہ انسانوں کے باہمی تعلقات انسانی زندگی کے بہت سے انفرادی اور اجتماعی اور داخلی اور خارجی پہلوؤں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یعنی ان تعلقات میں یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ یہ الفت و محبت اور اخلاص کی ایک ایسی فضا ایجاد کر دیتے ہیں کہ انسان اپنے جذبات و احساسات' افکار و خیالات' مختصر یہ کہ تمام رجحانات و میلانات میں ایک دوسرے کے اندر جذب ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے

کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

کیونکہ انسان مدنی الطبع (فطرتاً گروہ کی صورت میں رہنا پسند کرنے والا) ہے' تنہا رہنا پسند نہیں کرتا' اور چاہتا ہے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرے' لہٰذا اسکے لئے ضروری ہوتا ہے کہ کوئی اسکا مونس و مددگار' ہمدم و ہمراز دوست ہو۔ اسی بنا پر اسلام نے قرآنِ کریم اور سنتِ معصومینؑ میں دوستی و رفاقت کے متعلق گفتگو کی ہے اور اس بارے میں ضروری رہنمائی فرمائی ہے۔

ممکن ہے اعزہ و اقربا سے تعلقات اور ان کے ساتھ مل جل کر رہنا انسان کی روحانی پیاس نہ بجھا سکے اور وہ اپنوں کے درمیان بھی خود کو اجنبی اور تنہا محسوس کرے اور اپنے بھی اسے پرائے نظر آئیں۔ لہٰذا اسے کچھ ایسے لوگوں کی ضرورت ہوگی جو اسکی فکر اور روح سے قریب ہوں اور ممکن ہے یہ اسکے اقرباو اعزہ سے بھی زیادہ اسکے قریب ہو جائیں۔

اس بارے میں امیرالمومنینؑ نے کیا خوبصورت جملہ فرمایا ہے کہ:

"رُبَّ اَخٍ لَکَ لَمْ تَلِدْهُ اُمُّکَ."

"ممکن ہے تمہارے بھائیوں میں سے کچھ ایسے بھی ہوں جنہیں تمہاری ماں نے پیدا نہ کیا ہو۔"

دوستی قرآن کی نظر میں

اس گفتگو کی روشنی میں' نیز ایک دوست کے دوسرے دوست پر بہت زیادہ اثر انداز ہونے کے پیش نظر پروردگار عالم نے انسان سے چاہا ہے کہ وہ اپنے دوست کا انتخاب دیکھ بھال کر کرے۔ اسی لیے خداوندِ عالم نے قرآنِ مجید میں مثبت اور مفید دوستی کے بارے میں بھی گفتگو فرمائی ہے اور منفی' مخرب اور خطرناک دوستی کے بارے میں بھی انتباہ کیا ہے۔

مثبت دوستی

مثبت ومفید دوستی وہ ہے جو تقویٰ و پرہیزگاری کی بنیاد پر استوار ہو۔ یہ ایسا رابطہ ہے جسے انسان کے افکار و خیالات' اسکے قلب اور اس کی پوری زندگی کو تقویت پہنچانا چاہیے۔ اس طرح کہ وہ فکری تقویٰ کا حامل ہو اور سوائے حق کے اسکی کوئی فکر نہ ہو' وہ قلبی تقویٰ کا حامل ہو اور سوائے خیر اور نیکی کے اس کا دل کسی اور چیز کے لیے نہ دھڑکتا ہو' اسکی پوری حیات تقویٰ سے معمور ہو اور وہ سوائے صراطِ مستقیم کے کسی اور راستے پر قدم نہ اٹھائے۔

اگر انسان متقی اور پرہیزگار ہو اور اس کی زندگی پرہیزگاری و تقویٰ پر مبنی ہو' تو ایسا شخص یقیناً اپنے دوست کا خیر خواہ ہوگا' اسے ہدایت اور اسکی راہنمائی کرے گا۔ کیونکہ دین ہے ہی نصیحت اور خیر خواہی۔ ایسا فرد اپنے دوست کا وفادار بھی ہوگا کیونکہ وفاداری ایمان کے عناصر میں سے ایک عنصر ہے۔

اگر انسان مومن اور متقی ہوگا' تو یقیناً اپنے دوست کی مدد کرے گا' حتیٰ اس کو خود پر ترجیح دے گا۔

اسی بنا پر خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ دوستی کو تقوائے الٰہی کی بنیاد پر استوار ہونا چاہیے' کیونکہ جن روابط و تعلقات کی بنیاد تقویٰ و پرہیزگاری پر قائم ہو ان کا آغاز خدا' اسکے رسول' اور اسکے اولیا کے لیے ہوتا ہے اور وہ اسلامی عقائد پر استوار ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب تک انسان تقویٰ کے راستے پر گامزن ہو' گویا اس نے خدا کی مضبوط رسی کو تھاما ہوا ہے۔

کیا یہ درست نہیں ہے کہ پروردگارِ عالم نے ایسے شخص کو اپنی رسی مضبوطی سے تھامنے والا قرار دیا ہے جو نیکوکار اور اسکے سامنے تسلیم ہو؟ (۱)

۱۔ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

پھر پروردگارِ عالم نے ایسی ہی دوستی کو قیامت تک باقی رہنے والی دوستی کہا ہے' کیونکہ دنیا میں قائم ہونے والی ایسی دوستیاں جن کی بنیاد خدا پر ایمان اور تقویٰ و پرہیزگاری ہو' وہ اپنا حقیقی مقام روزِ قیامت ہی دیکھ سکیں گی' کیونکہ آخرت رضوانِ اکبر اور الٰہی نعمتوں کا گھر ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں قرآنِ کریم میں یوں ارشاد ہوا ہے:

"اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ."

"اس روز صاحبانِ تقویٰ کے سوا تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔" (سورۂ زخرف ۴۳۔ آیت ۶۷)

یعنی صرف اہلِ تقویٰ کی دوستی باقی اور جاویدانی ہوگی۔ کیونکہ فقط متقین کی دوستی ناقابلِ زوال اور مضبوط بنیادوں پر استوار ہے' جو نہ صرف موت کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی' بلکہ جس طرح اس دنیا میں ان کے درمیان محبت ہوگی' اسی طرح سے یہ محبت آخرت میں بھی ان کے درمیان باقی رہے گی۔

آخرت میں دوست

روزِ قیامت باایمان اور باتقویٰ دوستوں کے بہشت میں مل جل کے رہنے کے بارے میں خداوندِ عالم فرماتا ہے:

"وَنَزَعْنَا مَافِیْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَاناً عَلٰی سُرُرٍ مُتَقَابِلِیْنَ."

"اور ہم نے ان کے سینوں سے ہر طرح کی کدورت نکال لی ہے اور وہ

(بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ) لَاانْفِصَامَ لَهَا" (اب جو شخص بھی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے وہ اسکی مضبوط رسی سے متمسک ہو گیا ہے جس کے ٹوٹنے کا امکان نہیں ہے۔ سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۲۵۶)

بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے۔"

(سورۂ حجر ۱۵- آیت ۴۷)

میدانِ حشر میں قدم رکھنے والے ان دوستوں کے دل میں کسی قسم کا کینہ و کدورت نہ ہوگی، بلکہ ان کے دل محبت و عشقِ خدا سے لبریز ہوں گے اور وہ خدا سے اپنے اس عشق و محبت کی بنا پر تمام انسانوں کو دوست رکھیں گے، چاہے وہ ان کے حامی ہوں یا مخالف۔

لہٰذا اگر کوئی واقعاً خدا پر ایمان رکھتا ہو۔ یعنی خدا کی محبت نے اس کے دل کو لبریز کر رکھا ہو تو پھر اس کے دل میں کینہ، کدورت اور نفرت کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔

یہ وہی بات ہے جس کی تعلیم ہمیں رسولِ کریمؐ نے دی ہے۔ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دی، اُن کے متعلق آپ نے پروردگارِ عالم سے اس طرح شکوہ کیا اور ان کے حق میں دعا فرمائی:

"اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ."

"پروردگارا! میری قوم کی ہدایت فرما، بلاشبہ یہ لوگ نہیں جانتے۔"

اس گفتگو کا نچوڑ یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں دوسروں کے لیے کینہ و کدورت نہیں اور جو بندگانِ الٰہی سے اس لیے محبت کرتے ہیں کیونکہ خدا سے محبت کرتے ہیں، وہی حقیقی مومن ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ نَفَعَ عِیَالَ اللّٰہِ وَاَدْخَلَ عَلٰی بَیْتٍ سُرُوْراً."

"تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا کے نزدیک محبوب ترین فرد وہ ہے جو خدا کے کنبے کو فائدہ پہنچائے اور ان کے گھروں میں سے کسی گھر میں خوشی داخل

کرے۔" (اصولِ کافی۔ ج ۲۔ ص ۱۷۰)

ارشادِ الٰہی ہے:

"وَنَزَعْنَا مَافِي صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَاناً عَلىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِيْنَ."

"اور ہم نے ان کے سینوں سے ہر طرح کی کدورت نکال لی ہے اور وہ بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے۔"

(سورۂ حجر ۱۵۔ آیت ۴۷)

ایمانی دوست محبت بھرے ماحول میں ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوں گے، سعادت مند زندگی بسر کر رہے ہوں گے اور عظیم الٰہی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے:

"وَرِضوانٌ من اللّٰه."

کن لوگوں سے دوستی کی جائے؟

قرآنِ کریم ایک ایسے معاشرے کی تشکیل پر زور دیتا ہے جو دوستی اور مل جل کے زندگی بسر کرنے کی بنیاد پر قائم ہو، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کون لوگ دوستی اور معاشرت کے قابل ہیں؟ خداوندِ عالم رسولِ کریمؐ سے فرماتا ہے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ.....

یہاں خداوندِ عالم براہِ راست پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرما رہا ہے، لیکن دراصل آنحضورؐ کے توسط سے تمام افرادِ بشر سے مخاطب ہے۔ یہ اندازِ تخاطب لوگوں کے سامنے موضوع کی اہمیت میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ کیونکہ جب رب العالمین اپنے حبیب اور مخلوقات میں سے اپنی محبوب ترین ہستی سے ایک عمل کا متمنی ہے اور اس سلسلے میں انہیں تکلیف اور مشقت برداشت کرنے کا حکم دے رہا ہے، تو بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ عام لوگوں سے اس عمل کا تقاضا نہ کرے؟ یوں یہ انداز خداوندِ عالم کے نزدیک اس مسئلے کی انتہائی

اہمیت کا عکاس ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

" وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُونَ رَبَّھُم بِالغَدٰوۃِ وَالعَشِیِّ یُرِیْدُونَ وَجْھَہٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوَاہُ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا."

"اور اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ صبر پر آمادہ کرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور اسی کی مرضی کے طلب گار ہیں اور خبردار تمہاری نگاہیں ان کی طرف سے پھر نہ جائیں کہ تم زندگانیٔ دنیا کی زینت کے طلبگار بن جاؤ اور کسی صورت اس کی اطاعت نہ کرنا جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہشات کا پیروکار ہے اور اس کا کام سراسر زیادتی کرنا ہے۔" (سورۂ کہف ۱۸۔ آیت ۲۸)

یعنی ایسے افراد سے دوستی کیجیے جن کی زندگی بس خدا کے لیے ہو، وہ صرف اسی کی پرستش کرتے ہوں اور ان کا مقصدِ وحید خدا ہی ہو۔ کیونکہ ایسے افراد کی دوستی ایمان میں اضافہ کرتی ہے، اور وہ آپ سے اپنی دوستی کے بندھن کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنے عہد و پیمان پر باقی رہتے ہیں۔

دوست کا کردار

پروردگارِ عالم نے دوزخ میں داخل ہوتے وقت اہلِ عذاب کی چیخ و پکار اور مدد کی التجا کا ذکر کرتے ہوئے دوست کی اہمیت اور اس کے کردار کے متعلق بیان کیا ہے۔ روزِ قیامت وہ کس طرح فریاد کر رہے ہوں گے؟ قرآن ان کی زبان میں کہتا ہے:

"فَمَالَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ."

"اب ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا بھی نہیں ہے اور نہ کوئی دل پسند دوست ہے۔" (سورۂ شعراء ۲۶۔ آیت ۱۰۰، ۱۰۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"لَقَدْ عَظُمَتْ مَنْزِلَةُ الصَّدِيْقِ حَتّٰى أَنَّ أَهْلَ النَّارِ يَسْتَغِيْثُوْنَ بِهٖ وَيَدْعُوْنَ بِهٖ فِي النَّارِ قَبْلَ الْقَرِيْبِ الْحَمِيْمِ، قَالَ اللّٰهُ مُخْبِراً عَنْهُمْ: فَمَالَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ."

"دوست کا کردار اس درجہ اہم اور عظیم ہے کہ اہلِ عذاب بھی اپنے دوستوں کو مدد کے لیے بلائیں گے اور قبل اس کے کہ جہنم کے کھولتا پانی (حمیم) پئیں، آتش جہنم میں انہیں پکاریں گے۔ پروردگارِ عالم ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: (وہ کہیں گے) نہ اب کوئی ہماری شفاعت کرنے والا ہے اور نہ ہی کوئی مخلص دوست۔"

یہاں صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ سے مراد ایسا مخلص اور حقیقی دوست ہے جو وفادار ہو اور دوست کی مدد کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ یہاں تک کہ اہلِ عذاب بھی اپنے دائیں بائیں دیکھیں گے اور اپنے کسی دوست کو تلاش کریں گے، لیکن اس وقت انہیں اپنا کوئی دوست نظر نہیں آئے گا۔ لہٰذا ایک دوسرے سے سوال کریں گے کہ میرا وہ جگری دوست کہاں ہے؟ اس وقت انھیں احساس ہوگا کہ غیر مومن اور غیر خدا پرست شخص کے ساتھ ان کی دوستی کسی مضبوط بنیاد پر استوار نہ تھی لہٰذا موت کے بعد باقی نہیں رہی۔

جی ہاں!

"اَلْاَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ."

''آج کے دن صاحبانِ تقویٰ کے سوا تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔'' (سورۂ زخرف ۴۳۔ آیت ۶۷)

برے دوست

پروردگار عالم نے برے اور نامناسب دوستوں کے متعلق بھی ارشاد فرمایا ہے۔ یہ ایسے دوست ہیں جن کی دوستی پر لوگ روزِ قیامت شرمندہ ہوں گے۔ پروردگارِ عالم فرماتا ہے:

''وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلاً.''

''اور جس دن ظلم کرنے والا (مارے افسوس کے) اپنے ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا کہ کاش میں بھی رسول کے ساتھ دین کا سیدھا راستہ اختیار کرتا۔''

(سورۂ فرقان ۲۵۔ آیت ۲۷)

یہاں ظالم سے مراد ایسا شخص ہے جس نے کفر، گمراہی اور گناہ کی راہ اختیار کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ یہ شخص روزِ قیامت حسرت اور غم واندوہ کے عالم میں کہے گا کہ کاش میں نے رسول کی دکھائی ہوئی راہ اختیار کی ہوتی۔

قرآنِ کریم مذکورہ بالا آیت میں آگے چل کر اس افسوس کرنے والے کی زبان میں کہتا ہے:

'' يَا وَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلاً. ''

''ہائے افسوس، کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔''

(سورۂ فرقان ۲۵۔ آیت ۲۸)

اس سے سوال کیا جائے گا: تمہیں کیا ہوا ہے، فلاں نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے؟

وہ جواب میں کہے گا:

"لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولاً."

''اس نے ذکر (کلامِ الٰہی) آنے کے بعد بھی مجھے گمراہ کر دیا اور شیطان تو آدمی کو رسوا کرنے والا ہے ہی۔'' (سورۂ فرقان ۲۵۔آیت ۲۹)

خدا کی نصیحت، اسکے پیغمبرؐ کے ذریعے مجھ تک پہنچی، جس نے میرے قلب و ذہن کو روشن کیا لیکن یہ شخص، میرا دوست میرے پاس آیا اور اس نے مجھے کلامِ الٰہی سے دور کر دیا، میری روح اور میری فکر کو فطری راستے سے ہٹا دیا اور اپنی مطلوبہ جگہ پہنچانے کے بعد مجھے تنہا چھوڑ گیا۔

جی ہاں! شیطان، چاہے وہ جنوں میں سے ہو چاہے انسانوں میں سے، آخر کار وہ انسان کو تنہا چھوڑ دے گا۔ پروردگارِ عالم نے انسانوں کو فریب دینے کے لیے شیطان کے حیلوں بہانوں کے متعلق فرمایا ہے:

"كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ."

''ان کی مثال شیطان جیسی ہے کہ اس نے انسان سے کہا کہ کفر اختیار کر لے اور جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ میں تجھ سے بیزار ہوں میں عالمین کے پروردگار سے ڈرتا ہوں۔'' (سورۂ حشر ۵۹۔آیت ۱۶)

روزِ قیامت شیطان محشر میں کھڑا ہوگا، لوگ آ کر کہیں گے کہ اے پروردگار! شیطان نے ذمے داری قبول کرنے کے ذریعے ہمیں گمراہ کیا اور فریب دیا ہے۔

لیکن شیطان دوسرے طریقے سے اپنا دفاع کرے گا اور ساری کی ساری ذمے

داری خود لوگوں کے سر ڈال دے گا:

"وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ."

"اور شیطان تمام امور کا فیصلہ ہو جانے کے بعد کہے گا کہ اللہ نے تم سے بالکل برحق وعدہ کیا تھا۔" (سورۂ ابراہیم ۱۴۔ آیت ۲۲)

اور کہے گا:

"سَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ."

"اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اور اسے ان صاحبانِ تقویٰ کے لیے مہیا کیا گیا ہے۔" (سورۂ آلِ عمران ۳۔ آیت ۱۳۳)

اور کہے گا:

"إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ."

"اللہ نے تم سے بالکل برحق وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی ایک وعدہ کیا تھا پھر میں نے اپنے وعدے کی مخالفت کی۔" (سورۂ ابراہیم ۱۴۔ آیت ۲۲)

کیونکہ میں تو چاہتا ہی یہ تھا کہ تم سے جھوٹا وعدہ کروں، تمہارے دلوں میں وسوسہ پیدا کروں، تمہارے سامنے اچھائیوں کو برائی اور برائیوں کو اچھائی بنا کر پیش کروں، اس لیے کہ تم سے میری دشمنی کی ابتدا تو تمہارے باپ آدم اور تمہاری ماں حوا ہی سے ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُوْ حِزْبَهُ لِيَكُوْنُوْا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيْرِ."

''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھو۔ وہ اپنے گروہ کو صرف اس بات کی طرف دعوت دیتا ہے کہ وہ سب کے سب جہنمی بن جائیں۔'' (سورۂ فاطر ۳۵۔ آیت ۶)

دشمن، دشمن کے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے؟

کیا دشمن، دشمن کا خیر خواہ ہوتا ہے؟ یا اس سے کینہ و عداوت رکھتا ہے؟

پروردگارِ عالم اپنی کتاب قرآنِ مجید میں شیطان کے قول کو نقل کرتا ہے، وہ کہے گا:

''وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ.''

''اور میرا تمہارے اوپر کوئی زور بھی نہیں تھا۔'' (سورۂ ابراہیم ۱۴۔ آیت ۲۲)

اور پروردگارِ عالم نے شیطان کو خطاب کر کے کہا:

''اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَاناً اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الغَاوِيْنَ.''

''میرے بندوں پر تیرا کوئی اختیار نہیں ہے سوائے ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کرنے لگیں۔'' (سورۂ حجر ۱۵۔ آیت ۴۲)

'' فَلَا تَلُومُونِي.''

''تو اب تم مجھے ملامت نہ کرو۔'' (سورۂ ابراہیم ۱۴۔ آیت ۲۲)

اس وقت شیطان کہے گا کہ پروردگار کی طرف سے اس قدر اتمامِ حجت کر دینے کے بعد مجھے ملامت نہ کرو۔ اس لیے کہ میں نے پہلے ہی پروردگارِ عالم سے عرض کر دیا تھا:

''فَبِمَا اَغْوَيْتَنِي لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَاتَجِدُ اَكْثَرَهُمْ الشَّاكِرِيْنَ.''

''پس جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے' میں تیرے سیدھے راستے پر بیٹھ جاؤں گا۔ اسکے بعد سامنے' پیچھے اور دائیں' بائیں سے آؤں گا اور تو دیکھے گا کہ اکثریت شکر گزار نہیں۔'' (سورۂ اعراف ۷۔ آیت ۱۶' ۱۷)

لہٰذا میرا مقصد اور ارادہ پہلے ہی سے واضح تھا اور میں نے تمہارے باپ آدم سے کینہ اور انتقام کی بنا پر تمہیں فریب دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ''وَلُوْمُوا اَنْفُسَكُمْ.'' پس میرے بجائے' خود اپنے آپ کو ملامت کرو۔ پروردگارِ عالم نے تمہیں عقل دی' تمہارے لیے اپنے پیغمبر بھیجے' تمہیں ارادہ و اختیار اور انتخاب کا حق دیا' سعادت اور شقاوت کے راستے تمہارے سامنے واضح کیے' پھر بھی تم نے کیوں جنت کا راستہ نہیں اپنایا اور جہنم کا راستہ منتخب کیا؟ جبکہ تم کو علم تھا کہ میرا گروہ' جہنمیوں کا گروہ ہے: ''مَا اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ.'' نہ میں تمہاری مدد کو پہنچ سکتا ہوں ''وَمَا اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ.'' اور نہ تم میری مدد کو پہنچ سکتے ہو۔ وہاں ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔

''اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَا اَشْرَكْتُمُوْنِ.'' ''میں تو پہلے ہی سے اس بات سے منکر ہوں کہ تم نے مجھے اس کا شریک بنا دیا۔'' (سورۂ ابراہیم ۱۴۔ آیت ۲۲)

دوستی اقوالِ معصومینؑ کی روشنی میں

ہم نے جو کچھ عرض کیا اس سے واضح ہے کہ مذکورہ آیت (سورۂ ابراہیم کی آیت ۲۲) بہت سی احادیث کے معنی کو اجاگر کرتی ہے۔

رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس میں آنحضرت فرماتے ہیں:

''اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ يُخَالِلُ''

''ہر شخص اپنے دوست کی عادات و اطوار اپناتا ہے۔ لہٰذا تم میں سے ہر ایک

کونظر رکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔"

یعنی دوستی اور میل جول انسان پر اثرانداز ہوتا ہے اور اسی کے زیر اثر وہ اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں کا دین اپنا لیتا ہے۔ لہٰذا جب بھی کسی سے دوستی کرنا چاہیں، تو اس شخص کے دین کی تحقیق کرلیں اور جب تک مطمئن نہ ہو جائیں کہ وہ آپ کو آپ کے عقیدے اور دین سے منحرف نہ کرے گا، اور نہ صرف آپ کو آپ کے دین سے گمراہ نہ کرے گا، بلکہ آپ کے دین میں تقویت کا بھی باعث ہوگا، اس وقت تک اسکی جانب دوستی کا ہاتھ نہ بڑھائیں۔

اس کے ساتھ ساتھ انسانوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا ایک ذریعہ ان کے دوست بھی ہیں۔ لہٰذا اگر آپ کسی انسان کے اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ فیصلہ کس بنیاد اور کس کسوٹی پر کریں گے؟

حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام فرماتے ہیں:

"لَا تُحَكِّمُوا عَلىٰ رَجُلٍ بِشَيءٍ حَتّٰى تَنْظُرُوْا اِلىٰ مَنْ يُصَاحِبْ."

"کسی شخص کے بارے میں اس وقت تک فیصلہ نہ دو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ کس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔"

یہ وہی معروف مثل ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: تم بتاؤ کس کے دوست ہو، تا کہ ہم بتائیں کہ تم کون ہو۔

اور حقیقت بھی یہی ہے۔ انسان کو اس کے ہم فکر، ہمدل اور ہمدم سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص اپنے ہم رنگ سے مانوس ہوتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے:

"اِخْتَبِرُوْا النَّاسَ بِاَخْدَانِهِمْ."

''لوگوں کو اُن کے دوستوں کے ذریعے پہچانو۔''

اخدان' خدین کی جمع ہے' خدین' یعنی ہم راز دوست یا راز محفوظ رکھنے والا دوست۔ لہٰذا جو کوئی بھی اپنے لیے کسی کو ہمراز دوست کے طور پر منتخب کرتا ہے' درحقیقت اس سے فکر اور طبیعت کے لحاظ سے مماثلت رکھتا ہے۔

اور یہ احادیث اس بات کی شدید تاکید کر رہی ہیں کہ دوستی مشکلات کا سبب اور خطرناک بھی ہوسکتی ہے۔ واضح سی بات ہے کہ جب انسان کسی کی جانب کشش محسوس کرتا ہے اور اسکا شیفتہ ہوتا ہے تو دراصل اسکی صفات اور عادات و اطوار کا شیفتہ ہوتا ہے' اسکی شخصیت کے عناصر اُس فرد کی شخصیت کے عناصر سے نزدیک ہوتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اَلنُّفُوْسُ اَشْکَالٌ فَمَا تَشَاکَلَ مِنْھَا اِتَّفَقَ وَالنَّاسُ اِلیٰ اَشْکَالِھِمْ اَمْیَلُ.''

''نفوس مختلف اور طرح طرح کی شکلوں کے ہوتے ہیں' ایک جیسی شکلیں آپس میں مل جاتی ہیں اور لوگ اپنی شکلوں کی جانب زیادہ مائل ہوتے ہیں۔''

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

''فَسَادُ الْاَخْلَاقِ مَعَاشِرَۃُ السُّفَھَاءِ وَصَلَاحُ الْاَخْلَاقِ بِمُنَافَسَۃِ الْعُقَلَاءِ وَالْخَلْقُ اَشْکَالٌ فَکُلٌّ یَعْمَلُ عَلیٰ شَاکِلَتِہٖ وَالنَّاسُ اِخْوَانٌ فَمَنْ کَانَتْ اُخُوَّتُہٗ فِی غَیْرِ ذَاتِ اللّٰہِ فَاِنَّھَا تَحُوْزُ عَدَاوَۃً وَذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالیٰ: اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ.''

''احمقوں اور بیوقوفوں کے ساتھ ہم نشینی اخلاقی بگاڑ پیدا کرتی ہے اور عقل

مندوں کے ساتھ میل جول اخلاقی سدھار کا موجب ہوتا ہے۔ لوگ طرح طرح کے ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنے جیسے شخص کے ساتھ گامزن ہوتا ہے۔ لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اب جس کی برادری بھی خدا کے لیے نہ ہو وہ دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہی پروردگارِ عالم کے اس قول کے معنی ہیں کہ: اس دن سارے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے متقین کے۔"

قرآنِ کریم نے حساب اور عذاب کے موقع پر برے دوست کی حالت کے بارے میں فرمایا ہے:

"قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ اِنِّي كَانَ لِي قَرِيْنٌ يَقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا اَءِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُطَّلِعُوْنَ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيْمِ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَ لَتُرْدِيْنِ."

"انہی میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک دوست تھا اور (مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ کیا تم بھی قیامت کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو۔ بھلا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو ہمیں ہمارے عمل کا بدلہ دیا جائے گا؟ (پھر بہشت میں اپنے ساتھیوں سے کہے گا) کیا تم لوگ بھی اسے دیکھو گے۔ یہ کہہ کر نگاہ ڈالی تو اسے بیچ جہنم میں پڑا ہوا دیکھا (یہ دیکھ کر بے ساختہ) کہے گا کہ خدا کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے بھی تباہ کر دیتا۔"

(سورۂ صافات ۳۷۔ آیت ۵۱ تا ۵۶)

تو ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے اور ایسے دوست بنانے چاہئیں جو اہلِ بہشت میں سے

ہوں، جنہیں لوگ ان کے ایمان اور عملِ صالح کی وجہ سے پہچانتے ہوں، اہلِ کفر و عذاب میں سے نہ ہوں۔

جب انسان روزِ قیامت اپنے برے دوست کو دیکھے گا، تو پشیمان ہوگا اور ایسے دوست کی دوستی پر کفِ افسوس ملے گا۔ قرآنِ مجید نے اس لمحے کی اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"قَالَ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ."

"کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا، یہ تو بڑا بدترین ساتھی نکلا۔" (سورۂ زخرف ۴۳۔ آیت ۳۸)

اے کاش، میں کبھی تجھ سے نہ ملا ہوتا، میرے اور تیرے درمیان اس قدر فاصلہ ہوتا کہ کبھی ہماری ملاقات نہ ہوئی ہوتی۔ مجھے یاد ہے کہ تو نے مجھ میں کیسے کیسے وسوسے پیدا کئے، مجھے گمراہ کیا اور ایسے راستے پر ڈال دیا جس کا انجام دوزخ میں ڈالے جانے کی صورت میں برآمد ہوا۔

پروردگارِ عالم برے دوست کی حالت کے متعلق یوں فرماتا ہے: جب انسان کے عمل کا حساب و کتاب ہو رہا ہوگا اور جب وہ پرودگارِ عالم کی عدالت میں اس کے سامنے کھڑا ہوگا، تو اپنے اعمالِ بد کے لیے عذر پیش کرے گا، بہانے تلاش کرے گا اور اپنی گمراہی کا الزام اپنے دوست کے سر ڈالنے کی کوشش کرے گا۔

"قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَا اَطْغَیْتُهٗ وَلٰکِنْ کَانَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ بِالْوَعِیْدِ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ."

''اس وقت اس کا ساتھی کہے گا: پروردگارا! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو خود گمراہی میں بہت دور چلا گیا تھا۔ اس پر خدا فرمائے گا: ہمارے سامنے جھگڑا نہ کرو، میں تو تم کو پہلے ہی عذاب کی خبر دے چکا تھا، میرے یہاں بات بدلا نہیں کرتی اور نہ میں بندوں پر ذرہ برابر ظلم کیا کرتا ہوں۔ اس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے کہ کیا تو بھر چکی ہے، تو وہ کہے گی: کیا کچھ اور مل سکتا ہے۔'' (سورۂ ق ۵۰۔ آیت ۲۷ تا ۳۰)

دوسرے مقام پر اللہ رب العزت ان برے احباب کے متعلق (جو ان پر مسلط ہیں اور انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں) اس طرح فرماتا ہے:

''وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ.''

''اور ہم نے ان پر ایسے احباب اور ہم نشینوں کو مقرر کیا کہ جنہوں نے جو کچھ ان کے سامنے تھا اور جو کچھ ان کے پیچھے تھا اسے ان کی نظروں میں خوبصورت بنا کر پیش کیا تھا۔'' (سورۂ فصلت ۴۱۔ آیت ۲۵)

صحیح ہے کہ پروردگارِ عالم نے اس آیت میں برے دوستوں کے ذریعے لوگوں کی گمراہی کا قصوروار خود انہی لوگوں کو قرار دیا ہے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ خدا نے برے دوستوں کو ان پر زبردستی مسلط کر دیا تھا، بلکہ خود انہوں نے اپنے ارادے اور اختیار سے برے دوستوں کا انتخاب کیا تھا۔

اسی طرح پروردگارِ عالم نے ہمیں یہ اختیار و ارادہ دیا ہے کہ ہم برے دوستوں کی جگہ اچھے اور صحیح دوستوں کا انتخاب کریں اور راہِ راست پر چلنے میں ان سے مدد لیں۔

دوست کی آزمائش

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کچھ ایسی علامات بیان کی ہیں، جن کے ذریعے دوستوں کی آزمائش کی جاسکتی ہے۔

"مَنْ غَضِبَ عَلَیْکَ مِنْ إِخْوَانِکَ ثَلاثَ مَرّاتٍ فَلَمْ یَقُلْ فِیْکَ شَرّاً فَاتَّخِذْهُ لِنَفْسِکَ صَدِیْقاً."

"تمہارے بھائیوں میں سے جو کوئی تم سے تین مرتبہ ناراض ہو لیکن اس کے باوجود تمہارے بارے میں کوئی بری بات نہ کہے تو اسے اپنا دوست بنالو۔"

بعض اوقات دوستوں کے درمیان اختلاف اور مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک دوست دوسرے دوست سے ناراض ہو جاتا ہے، لیکن ان میں محبت اسی طرح باقی رہتی ہے اور وہ ایک دوسرے کی برائی نہیں کرتے۔ لہٰذا اگر یہی کیفیت تین مرتبہ پیش آئے، تو اپنے ساتھی کو ایک متوازن شخصیت کا مالک اور دوستی کے قابل سمجھو۔ کیونکہ ایسا شخص اخلاقی قواعد کی پابندی کرے گا اور اسے اس کا غصہ تمہارے متعلق برا بھلا کہنے پر آمادہ نہ کر سکے گا۔

ایک دوسری حدیث میں حضرتؑ نے فرمایا ہے:

"لاتَسَمِّ رَجُلاً صَدِیْقاً سِمَةً مَعْرُوفَةً حَتّیٰ تَخْتَبِرَهُ بِثَلاثٍ فَتَنْظُرْ غَضَبَهُ یَخْرُجُهُ مِنَ الْحَقِّ اِلیٰ الْباطِلِ وَعِنْدَ الدِّیْنارِ وَالدِّرْهَمِ وَحَتّیٰ تُسافِرَ مَعَهُ."

کسی کو اس وقت تک اپنا جگری دوست نہ کہو اور اپنے ایک دوست کی حیثیت سے اس کا تعارف نہ کراؤ جب تک تین چیزوں سے اس کا امتحان نہ کرلو۔ دیکھو کہ:

۱۔ اس کا غصہ اسے حق سے نکال کر باطل کی طرف تو نہیں لے جاتا۔

۲۔ درہم و دینار (روپے پیسے کے معاملے) میں کیسا ہے؟

(خیانت کا مرتکب ہوتا ہے یا تمہارے اموال کو بطور امانت محفوظ رکھتا ہے؟ روپیہ پیسہ اسے تمہاری دوستی سے زیادہ تو عزیز نہیں)

۳۔ اس کے ساتھ سفر کرو۔

(کیونکہ بعض اوقات سفر کی صعوبتیں انسان کو تعادل اور توازن سے خارج کر دیتی ہیں۔ لہٰذا اگر اس موقع پر اس میں توازن باقی رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مضبوط اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر چلنے والا شخص ہے)

مطلوب دوست

معصومین علیہم السلام کی احادیث میں ان لوگوں کی خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے دوستی کی جا سکتی ہے اور جنہیں بطور دوست منتخب کیا جا سکتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اِصْحَبْ مَنْ تَتَزَیَّنَ بِهٖ وَلَا تَصْحَبْ مَنْ یَتَزَیَّنُ بِکَ."

"ایسے شخص کو دوست بناؤ جو تمہاری زینت بنے اور ایسے شخص کو دوست نہ بناؤ جو (تم سے سوءِ استفادہ کرے) تمہارے ذریعے اپنی شان بنائے (اور آخر کار تمہاری آبرو کم ہو جائے)۔"

یعنی ہم نشینی اور دوستی کے لیے مفید شخص کا انتخاب کرو تاکہ اس دوران اس کے علم و اخلاق سے استفادہ کر سکو۔ ایسے شخص کو دوستی کے لیے منتخب نہ کرو جس سے مستفید نہ ہو سکو اور وہ تمہیں اپنا دوست سمجھے جبکہ وہ تمہارا ہم پلہ نہ ہو بلکہ تم سے کمتر ہو۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنی عمر کے آخری لمحات میں جنادہ کو نصیحت فرمائی

''اِصْحَبْ مَنْ اِذَا صَحِبْتَهٗ زَانَکَ وَاِذَا خَدَمْتَهٗ صَانَکَ، وَاِذَا اَرَدْتَ مِنْهُ مَعُوْنَةً اَعَانَکَ، وَاِنْ قُلْتَ صَدَّقَ قَوْلَکَ وَاِنْ صِلْتَ شَدَّ صَوْلَکَ، وَاِنْ مَدَدْتَ یَدَکَ بِفَضْلٍ مَدَّهَا، وَاِنْ بَدَتْ عَنْکَ ثُلْمَةٌ سَدَّهَا، وَاِنْ رَاٰی مِنْکَ حَسَنَةً عَدَّهَا، وَاِنْ سَاَلْتَهٗ اَعْطَاکَ وَاِنْ سَکَتَّ عَنْهُ اِبْتَدَاکَ، وَاِنْ نَزَلَتْ اِحْدَی الْمُلِمّٰاتِ بِهٖ سَاوَاکَ.''

''دوستی اور ہم نشینی کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کرو جس کی دوستی تمہارے لیے زینت کا باعث ہو اور جب اس کی خدمت کرو تو وہ تمہارا خیال رکھے۔ اگر اس سے مدد چاہو تو وہ تمہاری مدد کرے۔ اگر کوئی بات کہو تو تمہاری تصدیق کرے۔ اگر کوئی حملہ کرو تو وہ تمہارے حملے کو شدت بخشے۔ اگر ہاتھ بڑھا کر اس سے کوئی چیز طلب کرو تو تمہاری مدد کرے۔ اگر تم کوئی نقصان اٹھاؤ تو وہ اس کی تلافی کرے۔ اگر تم اس کے حق میں نیکی اور بھلائی کرو تو اس کا لحاظ رکھے۔ اگر اس سے کوئی چیز مانگو تو تمہیں عطا کرے۔ اگر (حیا کی وجہ سے) خاموش رہو تو مدد اور بخشش میں پیش قدم ہو اور اگر کسی مصیبت سے دوچار ہو جاؤ تو وہ بھی خود کو مصیبت میں مبتلا سمجھے۔''

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''اَکْثِرِ الصَّوابَ وَالصَّلاحَ فِی صُحْبَةِ اُولِی النُّهٰی وَالاَلْبابِ.''

''اپنی خوش نصیبی اور شائستگی کو صاحبانِ خرد کی ہم نشینی سے بڑھاؤ۔''

مزید فرماتے ہیں:

صاحب الحکماء (صاحبانِ حکمت کی صحبت اختیار کرو) تاکہ ان کی حکمت سے

فائدہ اٹھاؤ۔وَ جَالِسِ الحُلَمَاء (بردباراورحلیم افراد کے ہم نشین بنو) بردبار افراد وہ ہیں جن کے قلوب میں وسعت پائی جاتی ہے۔وَاَعْرِضْ عَنِ الدُّنْیَا تَسْکُنْ جَنَّةَ المَأْوٰی (دنیا سے منہ موڑلو تاکہ بہشتِ بریں میں جگہ حاصل کرسکو)

دوسرے مقام پر حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''عَجِبْتُ لِمَنْ یَرْغَبُ فِی التَّکَثُّرِ مِنَ الاصْحَابِ کَیْفَ لا یَصْحَبُ العُلَمَاءَ الأَلِبَّاءَ الاتْقِیَاءَ اَلَّذِیْنَ یَغْنِمُ فَضَائِلَهُمْ وَتُهَذِّبُهُ عُلُومُهُمْ وَتُزَیِّنُهُ صُحْبَتَهُمْ.''

''مجھے تعجب ہے ایسے شخص پر جو دوستوں کی کثرت کا خواہشمند ہوتا ہے' آخر وہ کیوں صاحبانِ علم وخرد اور اہلِ تقویٰ کی صحبت اختیار نہیں کرتا' جن کے فضائل اسکے لیے غنیمت ہوں گے' جن کے علوم اسے مہذب بنائیں گے' نیز ان کی ہم نشینی اس کے لیے زینت بخش ہوگی۔''

''مَنْ دَعَاکَ اِلَی الدَّارِالبَاقِیَةِ وَاَعَانَکَ عَلَی العَمَلِ فَهُوَالصَّدِیقُ الشَّفِیْقُ.''

جو بھی تمہیں دارِ بقا (آخرت) کی طرف بلائے اور میدانِ عمل میں تمہارا معاون و مددگار رہو' وہ تمہارا مہربان اور حقیقی دوست ہے۔''

کیونکہ ایسا ہی دوست تمہیں آخرت کی یاد دلانے والا' خدا پسند کاموں میں تمہاری مدد کرنے والا اور تمہیں نجات اور اچھے راستے کی طرف لے جانے والا ہے۔

نیز آپؑ ہی نے فرمایا:

'' قَارِنْ اَهْلَ الخَیْرِ تَکُنْ مِنْهُمْ وَبَایِنْ اَهْلَ الشَّرِّ تَبِنْ مِنْهُمْ بِهِ.''

''نیک افراد کا قرب اختیار کرو' تاکہ انہی میں سے ہوجاؤ' اور برے افراد

سے دور رہو تا کہ ان میں شمار نہ کیے جاؤ۔"

اہلِ بیتؑ کے افکار

میرے عزیزو! ائمہ اہل بیتؑ کی امامت کا پیروکار ہونا ہم پر لازم کرتا ہے کہ ہم زندگی کے متعلق ان کی راہ وروش کا مطالعہ کریں، وہی راہ وروش جو صحیح معنی میں حقیقی اور خالص اسلامی راہ وروش ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ان کے کلمات اور ان کے ارشادات بھی پیش نظر رکھیں اور واقعات وحوادث کے مقابل ان کے اختیار کردہ طریقے اور سیرت کو بھی مدِ نظر رکھیں۔ اس لیے کہ امامت کی پیروی کے معنی کتابِ خدا اور سنتِ پیغمبرؐ سے ماخوذ اسلام کی پیروی ہے۔ ائمہ ہدیٰ کی سیرت، سیرتِ پیغمبرؐ ہی ہے اور ان کا کلام بھی وہی ہے جو رسولِ خداؐ کا کلام ہے۔

لہٰذا ہمیں اپنی زندگی کو ائمہؑ کی فکری اور عملی زندگی کے مطابق ڈھالنا چاہیے، صرف ان کے غم اور مسرت کے ایام منانے پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ وہ اسلام کے لیے دکھ جھیلتے تھے اور ان کا غم صرف اسلام کے لیے تھا؟

ان حضرات نے جو کچھ بھی مظالم اور مصائب برداشت کیے وہ صرف اسلام کے لئے تھے۔ اور یہ وہی چیز ہے جسے ہم معصومۂ کونین، سیدۃ النسا العالمین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی میں بھی دیکھتے ہیں۔ بالخصوص فتنہ وآشوب کے ایام میں آپؑ نے جو کچھ فرمایا، جب اس کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس پر غور کرتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ آپؑ کے کلام کا محور اسلام اور اس کا دفاع تھا۔ حتیٰ آپؑ نے حضرت علیؑ کا دفاع بھی اس وجہ سے کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے برحق امام تھے اس وجہ سے نہیں کہ علیؑ آپؑ کے شوہر تھے۔

گو کہ ہم حضرت علیؑ کے امامِ برحق اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے شوہر ہونے کے

درمیان کسی فرق کے قائل نہیں ہیں، لیکن انہوں نے آپؐ کی امامت کی وجہ سے آپؐ کا دفاع کیا، اپنا شوہر ہونے کی بنا پر نہیں۔

یہ وہ نکتہ ہے جسے ہمیں اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ مدِ نظر رکھنا چاہیے اور اہلِ بیتؑ سے فکر، عقیدے، عمل اور زندگی کے میدان میں رابطہ استوار کرنا چاہیے، تاکہ ہم انہیں اپنے عصر اور زمانے میں لاسکیں اور انہیں تاریخ کے ایک خاص حصے اور دائرے میں محدود نہ کریں، جیسے کہ بدقسمتی سے طولِ تاریخ میں ان کے ساتھ یہی سلوک ہوا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں مسلمانوں اور غیر مسلموں، نیز مغرب و مشرق میں پھیلے ہوئے عصرِ حاضر کے انسانوں کے اذہان کو افکارِ اہلِ بیتؑ سے معمور اور منور کرنا چاہیے۔ کیونکہ صرف انہی کے افکار انسانی حیات کو روشن کر سکتے ہیں۔ پس ہمیں انہیں چھوٹا اور معمولی بنا کر پیش نہیں کرنا چاہیے، انہیں صرف اشک و عزا تک محدود نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہمیں چاہیے کہ انہیں فکر و تہذیب کا سرچشمہ اور تمام عالم کو منور کرنے والا سمجھیں۔

قرآن کی نظر میں ناپسندیدہ اور ناقابلِ معاشرت دوست

یہ جاننے کے لیے کہ کن لوگوں سے دوستی اور رفاقت کا رشتہ قائم نہ کیا جائے اور ان معیارات اور پیمانوں کی تشخیص کے لیے جن پر مومن اور صالح افراد کی دوستیاں استوار ہونی چاہئیں، ہم کتابِ خدا قرآنِ مجید اور احادیثِ معصومینؑ سے رجوع کرتے ہیں۔

اس بارے میں قرآنِ مجید فرما رہا ہے(۱):

"یَوْمَ یَعَضُّ الظّٰالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ."

۱۔ سورۂ فرقان ۲۵۔ آیت ۲۵ تا ۲۹

''اس دن ظالم (مارے افسوس کے) اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا۔''

یہاں ظالم سے مراد وہ شخص ہے جس نے کفر، فسق و فجور اور انحراف کی راہ اپنا کر اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔

''یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اِتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلاً۔''

''اور کہے گا کہ کاش میں نے رسولؐ کے ساتھ ہی راستہ اختیار کیا ہوتا۔''

یعنی، اے کاش، میں اس راستے کو اختیار کرتا جس کی پیغمبرؐ نے دعوت دی تھی، اور اسی راہ پر ان کے ہمراہ چلتا۔

پھر دردناک فریاد بلند کر کے کہے گا:

''یٰا وَیْلَتٰی لَیْتَنِی لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلاً۔''

''ہائے افسوس، کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔''

یعنی وہ کافر اور گمراہ شخص، جس نے غیر مناسب فرد کو اپنا دوست بنایا ہوگا، اب اس دوستی پر کفِ افسوس ملے گا۔

لیکن کیوں پشیمان ہوگا؟ اس لیے کہ:

''لَقَدْ اَضَلَّنِی عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَاءَ نِی''

''اس (دوست) نے ذکر آنے کے بعد بھی مجھے گمراہ کر دیا۔''

وہ ذکر جسے پیغمبرؐ لے کر آئے وہ قرآنِ کریم ہے، ایک ایسی کتاب جو انسان کو خداوندِ متعال اور اس راہ کی طرف متوجہ کرتی ہے جس پر انسان کو چلنا چاہیے۔

''وَ کَانَ الشَّیْطَانُ لِلاِنْسَانِ خَذُوْلاً۔''

''اور شیطان تو انسان کو ذلت و رسوائی میں چھوڑ دیتا ہے۔''

اور روزِ قیامت کوئی ذمے داری قبول نہیں کرتا۔

ایک اور طرح کے دوست جن کی قرآنِ مجید میں مذمت کی گئی ہے اور جنہیں نامناسب قرار دیا گیا ہے وہ افراد ہیں جو باطل اور غلط طریقے سے آیاتِ الٰہی میں غور وخوض کرتے ہیں، تاکہ بخیال خود ان میں نقص اور کمی ڈھونڈ کر ان کا انکار کریں، ان کا مذاق اڑائیں اور ان کی مخالفت کریں۔ اس طرح کے دوستوں کے متعلق قرآنِ مجید فرماتا ہے:

"وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ."

"اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے متعلق بیہودہ بحث کر رہے ہیں، تو ان (کے پاس) سے ہٹ جاؤ، یہاں تک کہ وہ لوگ کسی اور بات پر بحث کرنے لگیں اور اگر شیطان تمہیں یہ حکم بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا۔" (سورۂ انعام ۶۔ آیت ۶۸)

قرآنِ مجید کی اس آیت سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ہمیں اسلام کے خلاف زہر اگلنے والے افراد سے دور رہنا چاہیے۔ پروردگارِ عالم کو یہ بات پسند نہیں کہ ہم اس بزم میں شریک ہوں جس بزم میں لوگ اسلام کے خلاف گفتگو میں مصروف ہوں۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ خدا ہمیں اس بات کی اجازت بھی نہیں دے گا کہ ہم اس طرح کے افراد کے ساتھ نشست وبرخاست رکھیں۔

جب اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہم اس محفل تک سے نکل جائیں جس میں اسلام کے خلاف گفتگو ہو رہی ہو، تو پھر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایسے افراد کے ساتھ ہماری دوستی اور ان سے ہمارا میل جول قبول کرے گا؟

پروردگارِ عالم ہم سے کہتا ہے کہ ایسی دوستی قائم کریں جس کی بنیاد ایمان اور تقویٰ پر

ہو۔ لہٰذا ایسے مومن سے دوستی کا رشتہ قائم کیجئے جو خدا، رسول، اولیائے الٰہی اور روزِ قیامت پر ایمان نیز تقویٰ، خشوع اور اطاعتِ خدا میں آپ سے نزدیک ہو۔ کیونکہ ایسی ہی دوستیاں باقی رہتی ہیں، یہاں تک کہ ایسے دوست باہم بہشتِ بریں میں داخل ہوں گے اور وہاں بھی اسی طرح دوست بن کر رہیں گے جس طرح دنیا میں ایک دوسرے کے دوست تھے۔

لیکن وہ لوگ جو دیانت اور تقویٰ میں آپ کی مثل و مانند نہ ہوں، روزِ قیامت ان کی دوستی ختم ہو کر دشمنی میں بدل جائے گی: آج (قیامت) کے دن صاحبانِ تقویٰ کے سوا تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔

جی ہاں! صرف متقین کی دوستیاں روزِ قیامت تک باقی رہیں گی۔

ارشادِ الٰہی ہے:

"اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَیْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ."

"جب پیشوا اپنے پیروکاروں سے لاتعلقی کا اظہار کریں گے، اور سب کے سامنے عذاب ہوگا، اور تمام وسائل منقطع ہو چکے ہوں گے، اور پیروکار کہیں گے کہ اے کاش ہم ان سے اسی طرح لاتعلق رہے ہوتے جس طرح یہ آج ہم سے لاتعلقی کا اظہار کر رہے ہیں۔ خدا ان سب کے اعمال کو اسی طرح حسرت بنا کے پیش کرے گا اور ان میں سے کوئی بھی جہنم سے نکلنے والا نہیں ہے۔" (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۱۶۶، ۱۶۷)

پس متقی اور پرہیزگار شخص کو دوست بنانا چاہیے، اور اگر آپ ایسے دوست کے طالب

ہیں جسے پروردگارِ عالم انبیاؑ اولیائے الٰہی اور مومنین پسند کریں اور وہ روزِ قیامت آپ کے ہمراہ اور آپ کا رفیق ہو تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس قسم کا دوست وہ ہے جو آپ کے اندر یادِ خدا پیدا کرے۔ ایسے ہی خدا محور دوستوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

"اِخْوَاناً عَلیٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِیْنَ." (سورۂ حجر ۱۵- آیت ۴۷)

"وہ بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوں گے۔"

معصومینؑ کی نظر میں ناپسندیدہ دوست

ہم نے کتابِ خدا اور سنتِ نبویؐ کے ذریعے نامطلوب اور نامناسب دوستوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں، آیئے اب اسی طرح اس بارے میں اہلِ بیتؑ کے کلام سے رجوع کرتے ہیں۔

وہ کون لوگ ہیں جنہیں دوست نہیں بنانا چاہیے؟ اس بارے میں حضرت امام علیؑ فرماتے ہیں:

"صُحْبَةُ الاَشْرَارِ تَکْسِبُ الشَّرّ."

"برے لوگوں کی دوستی سے برائی ہی حاصل ہوتی ہے۔"

جی ہاں، حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر آپ کے دوست برے اور بدکار لوگ ہوں گے، تو آپ ان سے برائی اور بدی ہی حاصل کریں گے۔

حضرتؑ نے مزید فرمایا:

"کَالرِّیْحِ اِذَا مَرَّتْ بِالنَّتْنِ حَمَلَتْ نَتْناً."

"بالکل اسی طرح جیسے ہوا جب بدبودار چیز پر سے گزرتی ہے، تو اس کی بدبو اپنے ہمراہ لے آتی ہے۔"

قدرتی طور پر دو دوستوں کے درمیان ایک دوسرے کی طرف باہمی الفت ومحبت کی ہوائیں چلتی رہتی ہیں اور وہ ان ہواؤں سے متاثر ہوتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

"مُصَاحِبُ الاَشْرَارِ کَرَاکِبِ الْبَحْرِ اِنْ سَلِمَ مِنَ الْغَرْقِ لَمْ یَسْلَمْ مِنَ الْفَرَقِ."

"برے لوگوں کے ساتھ دوستی ایسے ہی ہے جیسے انسان سمندری سفر میں ہو جس کے دوران وہ ڈوبنے سے محفوظ رہنے کے باوجود خوف واضطراب سے محفوظ نہیں رہتا۔"

جی ہاں، ممکن ہے سمندری سفر کے دوران اس کی تند وتیز موجیں کشتی کو اپنی لپیٹ میں لے لیں، یہاں تک کہ وہ الٹ جائے اور اس پر بیٹھنے والے سمندر میں غرق ہو جائیں۔ یہ لوگ اگر غرق ہونے سے محفوظ رہیں، تب بھی وہ انتہائی خوف وہراس میں مبتلا ہو جائیں گے اور کبھی یہ حالت اس قدر شدت سے ان پر طاری ہوگی کہ مستقبل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی شخصیت اور روح پر اثر انداز رہے گی۔

حضرت امام محمد تقی جوادؑ (ہم میں سے بہت کم لوگ ہیں جو حضرتؑ کی فکر اور آپؑ کے چھوڑے ہوئے علم سے آشنا ہوں گے) فرماتے ہیں:

"اِیَّاکَ وَمُصَاحِبَةَ الشِّرِّیْرِ فَاِنَّهُ کَالسَّیْفِ الْمَسْلُوْلِ یَحْسُنُ مَنْظَرُهُ وَیَقْبُحُ اَثَرُهُ."

"برے انسان کے ساتھ میل جول سے ہمیشہ پرہیز کرو، کیونکہ وہ ننگی تلوار کی مانند ہوتا ہے، جو دیکھنے میں تو خوبصورت نظر آتی ہے لیکن اسکا اثر بہت برا ہوتا ہے۔"

تلوار جب برہنہ ہوتی ہے' تو چمکتی ہے اور نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے' لیکن جب گرتی ہے تو قتل وغارت اور خونریزی بپا کرتی ہے۔

حضرت امام علیؑ کی ایک حدیث میں ہے:

"مَنْ لاٰیَصْحَبُکَ مُعِیناً عَلٰی نَفسِکَ فَصُحْبَتُهُ وَبَالٌ عَلَیْکَ."

"تمہارے دوستوں میں سے جو بھی تمہارے نفس کے خلاف جد و جہد میں تمہارا مددگار نہ ہو اُس کی دوستی تمہارے لیے وبال اور باعثِ زحمت ہے۔"

لہٰذا وہ دوست جو تمہارے اندر کوئی عیب دیکھے اور تمہیں اس سے منع نہ کرے' تمہارے اندر انحراف اور کج روی کا مشاہدہ کرے اور اسکے باوجود تمہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش نہ کرے' تمہیں خطا میں مبتلا پائے اور تمہاری درستگی کے لیے قدم نہ اٹھائے' تو ایسے دوست کی دوستی سے پرہیز کرو۔ اس لیے کہ اس کی دوستی بالکل بے سود ہے' بلکہ ممکن ہے نصیحت کے سلسلے میں اس کا خاموش رہنا' کوئی قدم نہ اٹھانا تمہیں انحراف' گمراہی اور خطا کے راستے پر باقی رکھے اور یہ چیز تمہارے لیے وبال کا باعث بن جائے گی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے:

"مَنْ لَمْ تَنْتَفِعْ بِدِینِهِ وَدُنْیَاهُ فَلاٰ خَیْرَلَکَ فِی مَجَالِسَتِهِ' وَمَنْ لَمْ یُوْجِبْ لَکَ فَلاٰ تُوْجِبْ لَهُ وَلاٰ کَرَامَةَ."

"جس شخص کے بھی دین یا دنیا سے تمہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہو' اس کے ساتھ ہم نشینی میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے اور جو شخص بھی تمہاری (دوستی کے حق کا) خیال نہیں رکھتا' تم بھی اس کا خیال نہ رکھو اور نہ ہی (ایسے شخص کی دوستی میں) کوئی عزت ہے۔"

درحقیقت یہاں امامؑ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انسانی روابط و تعلقات کا نتیجہ لازماً کسی غیر

حرام (حلال) فائدے کی صورت میں نکلنا چاہیے۔ انسانی زندگی ہے ہی لوگوں کے باہمی مفادات کے تبادلے پر قائم اور یہ کوئی ناپسندیدہ اور قبیح بات نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کو حق حاصل ہے کہ جس طرح وہ آخرت کے فائدے کے حصول کی جدوجہد میں مشغول رہتا ہے اسی طرح کسی حرام میں مبتلا ہوئے بغیر دنیاوی مفاد کے حصول کے لیے بھی کوشش کرے۔ اور یہی وجہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے حبِ ذات کی بالکل ہی نفی نہیں فرمائی ہے' بلکہ اس کے لیے گنجائش رکھی ہے اور اس کی ایک حد معین اور مخصوص فرمائی ہے' کیونکہ حب ذات کی دو اقسام ہیں:

کبھی حبِ ذات خود پرستی اور انانیت کو کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں انسان پوری دنیا صرف اپنے لیے چاہتا ہے' اپنی ذات کے حصار میں اسیر ہوتا ہے' اپنے اردگرد رہنے والے انسانوں سے بے خبر ہوتا ہے' دوسروں کی ذمے داری نہیں اٹھاتا اور زندگی کے فلسفے اور اس کی ضروریات سے نابلد ہوتا ہے۔ اس طرح کی حبِ ذات' خود پرستی اور خود خواہی' مردود و منفور ہے اور اسلام مردِ مسلمان سے اس طرح کی کوئی چیز نہیں چاہتا۔ کیونکہ پروردگارِ عالم انسان سے چاہتا ہے کہ وہ زندگی کے میدان میں آگے بڑھے' اچھی زندگی بسر کرے' زندگی بخشے' بلکہ زندگی کو بامقصد بنائے۔

ا۔ قابلِ مذمت حبِ ذات

حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے سوال کیا گیا: مَنْ اَسْوَأُ النَّاسِ مَعَاشاً؟ قَالَ مَنْ لَمْ یَعِشْ غَیْرُہُ فِی مَعَاشِہِ (زندگی اور معاشرت کے لیے سب سے بدتر شخص کون ہے؟)

فرمایا: وہ شخص جس سے دوسرے لوگ اپنی زندگی میں فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

یعنی ایسا شخص جو صرف اپنے لیے زندہ رہے اور دوسروں کو کوئی فائدہ نہ پہنچائے۔ اس کے علم، تجربے، قدرت، مال، اسکے مقام و منصب اور اسی طرح کی دوسری چیزوں سے کسی دوسرے کو کوئی فائدہ نہ پہنچے۔ اسلام کی نظر میں ایسی حبِ ذات قابلِ نفرت ہے اور اسے مسترد کیا گیا ہے۔

اسی ناپسندیدہ حبِ ذات میں لذت طلبی اور حرام کی گئی شہوتوں کا طلبگار ہونا بھی شامل ہے۔ پروردگارِ عالم انسان سے چاہتا ہے کہ وہ اس طرح کی خود پرستی اور حبِ ذات سے مقابلہ کرے اور اپنے آپ کو ہر طرح کی حرام شہوت اور ہر اس لذت سے محفوظ رکھے جس سے پروردگارِ عالم راضی نہ ہو۔ اس طرح کی لذتیں انسان کو ذلیل، رسوا اور زوال سے دوچار کر دیتی ہیں۔

اسی مذموم حبِ ذات میں ظالم کی مدد، اسے تقویت پہنچانا، کفار کے سامنے انکساری کا اظہار کرنا اور مستکبروں کی مدد کرنا بھی شامل ہے۔

یہی وہ مقام ہے کہ اگر نفسانی خواہش تم سے چاہے کہ مستکبرین، کفار اور ستمگروں کے ساتھ مل بیٹھو تو لازماً اپنی اس خواہش کا مقابلہ کرو اور پروردگارِ عالم کے ساتھ ہو جاؤ:

"یاایُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ."

"اے اہلِ ایمان! تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"

(سورۂ توبہ ۹۔ آیت ۱۱۹)

۲۔ قابلِ تعریف حبِ ذات

البتہ اگر حبِ ذات سے مراد یہ ہو کہ انسان شرعاً جائز اور حلال چیزوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتا ہے، تو پروردگارِ عالم نے اس خواہش کو حرام قرار نہیں دیا ہے۔ نہ ہی اللہ

نے لباس کو حرام کیا ہے' نہ ہی کھانے اور پینے کی چیزوں کو اور نہ ہی سکونت وتجارت کو' بلکہ فرمایا ہے: اَلْکَادُّ عَلیٰ عَیالِہِ کَالْمُجاھِدِ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ (اپنے اہل وعیال کے رزق کے لیے کوشش کرنے والا شخص راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے) نیز فرمایا ہے: وَالْعِبادَۃُ سَبْعُونَ جُزْءً اَفْضَلُھا طَلَبُ الْحَلالِ (عبادت کے ستر حصے ہیں اور ان میں سب سے بہتر حصہ رزقِ حلال کے سلسلے میں کوشش ہے)

پس اگر حبِ ذات' اس مفہوم میں ہو اور اس رنگ کی حامل ہو' تو اس کے معنی آخرت میں بلند درجات کی طلب اور جستجو ہے۔ اور اس قسم کی حبِ ذات کی بنیاد پر خداوندِ عالم نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر تم اپنی ذات کو دوست رکھتے ہو' اسکے خیر خواہ اور محب ہو' تو رضائے الٰہی کے لیے عمل انجام دو:

"فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْراً یَرَہُ."

"پھر جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھے گا۔"

(سورۂ زلزلہ ۹۹۔ آیت ۷)

لہٰذا حبِ ذات نہ ہی یکسر مثبت ہے اور نہ ہی یکسر منفی۔

حبِ ذات اگر ان حدود میں ہو جنہیں پروردگارِ عالم نے دنیا میں انسان کے لیے حلال قرار دیا ہے' یا جن کا پروردگارِ عالم نے آخرت میں انسان سے وعدہ کیا ہے' تو ایسی حبِ ذات میں کوئی مضائقہ نہیں۔

"وَابْتَغِ فِیمَا اٰتَاکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَلَاتَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ."

"اور جو کچھ خدا نے دے رکھا ہے اس سے آخرت کے گھر کا انتظام کرو' اور

دنیا میں اپنا حصہ بھول نہ جاؤ۔ اور جس طرح خدا نے تمہارے ساتھ نیک برتاؤ کیا ہے' تم بھی دوسروں کے ساتھ نیک سلوک کرو' اور روئے زمین پر فساد کی کوشش نہ کرو کہ پروردگارِ عالم فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔" (سورۂ قصص ۲۸۔ آیت ۷۷)

بہرصورت جس کسی کے ساتھ بھی دوستی اور رفاقت کا رشتہ قائم کرنا چاہتے ہو' پہلے اسکے بارے میں تحقیق کرلو اور دیکھ لو کہ کیا وہ تمہارے دین وایمان کے لیے مفید واقع ہوسکتا ہے؟

کیا دنیا میں تمہارے کسی کام آسکتا ہے؟

تمہارے لیے کوئی زحمت ومشقت جھیل سکتا ہے؟

اگر ان سوالوں کا جواب مثبت ہے' تو پھر اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ' البتہ شرائط کے ساتھ لیکن اگر مدِ مقابل ایسا ہے کہ جس سے تم کو نہ کوئی دینی فائدہ ہوگا اور نہ کوئی دنیاوی فیض پہنچے گا' تو پھر ایسے شخص کی ہم نشینی اور دوستی میں تمہارے لیے کوئی خوبی نہیں' جو تمہارے لیے زحمت ومشقت نہ اٹھا سکے' تم بھی اسکے لیے مشکل میں نہ پڑو اور نہ ہی اسے اہمیت دو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اُنْظُرْ کُلَّ مَنْ لاَیُفِیْدُکَ مَنْفَعَۃً فِی دِیْنِکَ فَلاَ تَعْتَدَنَّ بِہٖ وَلاَ تَرْغَبَنَّ فِی صُحْبَتِہٖ فَاِنَّ کُلَّ مَا سِوَی اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مُضْمَحِلٌّ وَخِیْمٌ عَاقِبَتُہٗ."

"دیکھو اور غور کرو' جو کوئی بھی تمہارے دین کے لیے مفید نہ ہو' اس کی پرواہ نہ کرو اور نہ ہی اس کی ہم نشینی کی خواہش کرو۔ اس لیے کہ پروردگارِ عالم کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور اس کا انجام بہت برا ہے۔"

یعنی دوستی کے لیے ایسے شخص کے چناؤ کی کوشش کرو جو اطاعتِ خدا میں تمہارا مددگار

بنے، تمہارے دین کو قوی کرے اور تمہیں آخرت کی جانب متوجہ کرے۔

ایسے لوگوں سے دور رہو

حضرت علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے: اِخْذِرْ مَنْ اِذَا حَدَّثْتَهُ مَلَّکَ (ایسے شخص سے بچو کہ جب تم اس سے بات کرو تو وہ تمہیں پریشان کرے) یعنی تمہاری باتوں پر توجہ نہ دے اگرچہ اس کی بھلائی میں ہوں بلکہ ابتدا سے ہی شکوہ اور ملامت آمیز کلام شروع کرے اور: وَاِذَا حَدَّثَکَ غَمَّکَ (جب تم سے بات کرے تو تمہیں غمگین کرے)

وَاِنْ سَرَرْتَه اَوْ ضَرَرْتَهُ سَلَکَ فِيْهِ مَعَکَ سَبِيْلَکَ (اور اگر اسے خوش کرو یا ضرر پہنچاؤ تو وہ بھی تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے) یعنی درگزر نہ کرے بلکہ اگر اسے تم سے نقصان پہنچ جائے تو وہ بھی تمہیں نقصان پہنچا کے دم لے۔

وَاِنْ فَارَقْتَهُ سَاءَکَ مَغِيْبُهُ بِذِکْرِ سَوْاٰتِکَ (اگر اس سے جدا ہو جاؤ تو وہ تمہاری پیٹھ پیچھے تمہاری برائی کرے اور اس طرح تمہیں نقصان پہنچائے) یعنی جب تک تمہارے ساتھ ہو تمہاری اچھائیاں بیان کرے اور تمہاری غیر موجودگی میں تمہاری برائیاں کرے۔

وَاِنْ وَافَقْتَهُ حَسَدَکَ وَاْعْتَدٰی (اور اگر اس کے ساتھ اتفاق کرو تو تم سے حسد کرے اور تم پر ظلم کرے) اس لیے کہ تمہیں برتر نہیں دیکھ سکتا اور جب بھی تم سے خوش خلقی اور اچھے برتاؤ کا مشاہدہ کرتا ہے تو تم سے حسد کرتا ہے اور تمہاری تعریف نہیں کرتا بلکہ تم سے زیادتی کرتا ہے۔

وَاِنْ خَالَفْتَهُ مَقَتَکَ وَمَارٰی (اور اگر اس کی مخالفت کرو تو تم سے نفرت کرے اور جھگڑنے لگے) جب تم اس کی مخالفت کرو تو غصے کا اظہار کرے اور یہ قبول کرنے پر تیار نہ ہو کہ ممکن ہے تمہارا یہ اختلافِ نظر موضوع کی تشخیص کی بنا پر ہو۔

يَعْجُزُ عَنْ مُكَافَاةِ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهِ (اپنے ساتھ نیکی کرنے والے کو نیک بدلہ دینے سے عاجز ہو) لہٰذا اگر کوئی اس کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے تو یہ اسے اس کا بدلہ نہیں دیتا۔

وَيَفْرُطُ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيْهِ (اور اگر کوئی اس کے ساتھ زیادتی کرے تو اس سے قصاص اور بدلہ لینے میں حد سے بڑھ جاتا ہے) اگر کوئی اس پر ظلم کرے تو جتنا اس پر ظلم ہوا ہے اسی کے برابر قصاص پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ افراط سے کام لیتا ہے اور ایک تھپڑ کا جواب دو تھپڑ سے دیتا ہے!

يُصْبَحُ صَاحِبُهُ فِي اَجْرٍ وَيُصْبِحُ هُوَ وِزْرٌ (ایسے شخص کا دوست اور ہم نشین تو اجر کا مستحق بن جاتا ہے جبکہ خود وہ گناہوں کے بوجھ تلے دب جاتا ہے) پس ایسے شخص کے ساتھ میل جول رکھنے والا شخص مومن ہے اجر و ثواب کا حقدار اور نجات یافتہ ہے جبکہ خود وہ شخص اپنے عملِ بد کی وجہ سے گناہ میں عمر گزار رہا ہے۔

لسانه عليه لاله (اپنی زبان کو اپنے دوست کے خلاف استعمال کرتا ہے اس کے دفاع کے لیے نہیں)

وَلَا يَضْبُطُ قَلْبُهُ قَوْلَهُ (اس کے دل کا اس کی زبان پر قابو نہیں ہوتا) اس کے قلب اور اسکی گفتار کے درمیان ہم آہنگی نہیں ہوتی۔

يَتَعَلَّمُ لِلْمِرْاءِ (دوسروں سے جدال کرنے کے لیے علم حاصل کرتا ہے) تہذیبِ نفس اور علم میں اضافے کے لیے نہیں بلکہ مناظرہ کرنے اور جھگڑنے کے لیے علم حاصل کرتا ہے۔

وَيَتَثَقَّفُ لِلرِّيَاءِ (اور دکھاوے کے لیے مہذب بنتا ہے) تاکہ لوگ اسے ہوشیار اور عقل مند سمجھیں۔

يُبَادِرُ لِلدُّنْيَا (دنیا کے لیے تیز قدم اٹھاتا ہے) اس کا کوئی اقدام آخرت کے لیے نہیں ہوتا صرف دنیا کے لیے ہوتا ہے۔

وَیُوَاکِلُ التَّقْوٰی (تقویٰ کے کاموں میں سست رو ہوتا ہے) اگر تقویٰ اور پرہیزگاری کسی عمل کا تقاضا کرے، تو اس عمل کی انجام دہی میں تاخیر کرتا ہے۔ اسکی جانب تیزی سے نہیں بڑھتا۔

نیز آپؑ ہی فرماتے ہیں:

''اِحْذَرْ مُصَاحِبَةَ الْفُسَّاقِ وَالْفُجَّارِ وَالْمُجَاهِرِیْنَ بِمَعَاصِی اللّٰه.''

''فاسقوں، فاجروں اور کھلم کھلا خدا کی نافرمانی کرنے والوں کی دوستی سے پرہیز کرو۔''

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''عَدُوٌّ عَاقِلٌ خَیْرٌ مِنْ صَدِیْقٍ اَحْمَقٍ.''

''عقل مند دشمن احمق دوست سے بہتر ہے۔''

کیونکہ عقل مند دشمن کی دشمنی و عداوت ظاہر و آشکارا ہے اور وہ اپنی دشمنی میں کچھ اصولوں کا پابند ہوتا ہے، لہٰذا اس سے محفوظ رہا اور بچا جا سکتا ہے۔ لیکن احمق دوست تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے گا لیکن حماقت کی بنا پر نقصان پہنچا بیٹھے گا، کیونکہ اس میں فکری توازن نہیں پایا جاتا۔

جن لوگوں سے دوستی کا رشتہ قائم کرنے اور ان سے میل جول سے منع کیا گیا ہے، احادیثِ معصومینؑ میں ان کی کچھ اور خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں حضرت امام علیؑ سے مروی ہے:

''اِیَّاکَ وَمُصَاحِبَةَ اَهْلِ الْفُسُوْقِ.''

''فاسقوں کی دوستی سے پرہیز کرو۔''

یعنی جن لوگوں کی زندگی کے طور طریقے فسق و فجور، خدا کی متعین کردہ حدود سے تجاوز

اوراس کی نافرمانی پراستوار ہیں انہیں دوست نہ بناؤ۔

"فَاِنَّ الرَّاضِی بِفِعْلِ قَوْمٍ کَالدَّاخِلِ فِیْهِ مَعَهُمْ."

"کسی گروہ کے فعل پر راضی ہونے والا اسی طرح ہے جیسے اس گروہ میں شامل ہو۔"

بلاشبہ پروردگارِ عالم جس طرح کسی عمل کی انجامدہی پر انسان سے جواب طلب کرے گا اسی طرح عملِ بدانجام دینے والے سے راضی اور خوشنود رہنے والے اور اسکی تائید کرنے والے سے بھی جواب طلب کرے گا۔

پھر آپؑ کے ایک دوسرے کلام میں اس طرح نظر آتا ہے:

"اَلرَّاضِیْ بِفِعْلِ قَوْمٍ کَالدَّاخِلِ فِیْهِ مَعَهُمْ وَعَلَی الدَّاخِلِ اِثْمَانِ: اِثْمُ الرِّضٰا وَاِثْمُ الْعَمَلِ."

"کسی گروہ کے عمل سے راضی ہوجانے والا بھی اسی گروہ میں شامل سمجھا جائے گا۔اس پر دہرا گناہ ہوگا ایک گناہ اس عمل سے رضایت کی بناپر اور دوسرا اس عمل کو انجام دینے کی وجہ سے۔"

حضرتؑ مزید فرماتے ہیں:

"اِنَّ مَا یَجْمَعُ النَّاسُ الرِّضَا وَالسَّخَطُ وَاِنَّمَا عَقَرَ نَاقَةَ ثَمُودٍ رَجُلٌ وَاحِدٌ فَعَمَّهُمُ اللّٰهُ بِالْعَذَابِ لَمَّا عَمُّوهُ بِالرِّضٰا فَقَالَ: فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نَادِمِیْنَ."

"لوگوں کا (ایک عمل سے) رضامند اور ناراض ہونا انہیں ایک گروہ اور قوم کی صورت عطا کردیتا ہے۔قومِ ثمود کے ناقے کے پیر ایک شخص نے کاٹے تھے لیکن کیونکہ دوسرے اس عمل سے راضی اور خوش تھے لہٰذا پروردگارِ عالم

نے پوری قوم پر عذاب نازل کیا اور فرمایا: ''فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نَادِمِیْنَ'' (پھر ان لوگوں نے اس کے پیر کاٹ دیئے اور بعد میں بہت شرمندہ ہوئے۔ سورۂ شعراء ۲۶۔ آیت ۱۵۷)

اس عمل کو انجام دینے والا ایک فرد تھا لیکن پورے قبیلے نے اس عمل پر رضامندی کا اظہار کیا' یا اس عمل کی حوصلہ افزائی کی۔ لہٰذا اس ایک آدمی کے اس عمل میں سبھی شریکِ جرم ہوئے۔ کیونکہ ایک عمل میں کبھی قلبی اور قولی طور پر شریک ہوا جاتا ہے اور کبھی عملی طور پر۔ یہی وجہ ہے کہ مردِ مسلمان کو ایسے افراد کے بارے میں اپنے قلبی میلانات اور زبان سے نکل جانے والے بے ساختہ الفاظ تک کے بارے میں محتاط اور باریک بین ہونا چاہیے جو کسی عملِ بد کے مرتکب ہوتے ہیں یا ظالموں کی تقویت کا باعث بنتے ہیں۔

آپؑ ہی کی ایک دوسری حدیث ہے۔

''اَلظَّالِمُ وَالرَّاضِی بِالظُّلْمِ وَالْمُعِیْنُ لَهُ شُرَکَاءُ ثَلَاثَتُهُمْ.''

''ظالم' ظلم پر رضامندی کا اظہار کرنے والا اور ظلم میں معاونت کرنے والا تینوں شریکِ ظلم ہیں۔''

کیونکہ پروردگارِ عالم چاہتا ہے کہ انسان کی فکر' روح' قلب اور زندگی سے برائی اور شرارت کا خاتمہ ہو جائے۔ جبکہ ظلم پر رضامندی کے اظہار اور ظالم کے ظلم پر خوش ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایسے فرد کے ذہن میں بدی' دوسروں پر ظلم وستم اور ہر دوسری برائی کے بیج پائے جاتے ہیں اور جب بھی حالات سازگار ہوں گے یہ بیج پھوٹ پڑیں گے۔ لہٰذا جو کوئی ظلم وستم دیکھ کر اس سے رضامندی کا اظہار کرتا ہے وہ درحقیقت ظالم کی تائید کرتا ہے' اسکے عمل کو سندِ جواز دیتا ہے' کیونکہ بعض افراد کے ظلم نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ انہیں دوسروں پر ظلم کرنا اچھا نہیں لگتا' بلکہ وہ ظلم کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور جب بھی ان کے اندر ظلم وستم

ڈھانے کی طاقت پیدا ہوگی وہ ضرور ظلم کا ارتکاب کریں گے۔

حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اِیّاکَ وَمُصَاحِبَةَ الفُسّاقِ فَاِنَّ الشَّرَّ بِالشَّرِّ مُلحَقٌ."

"فاسقوں کی دوستی سے بچو' کیونکہ برائی' برائی سے آملتی ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اِیّاکَ وَ مُخَالَطَ السَّفَلَةِ فَاِنَّ مُخَالَطَةُ السَّفَلَةِ لاٰ تُؤَدّیِ اِلیٰ خَیْرٍ."

"پست اور کمینے لوگوں کے ساتھ میل جول سے بچو' کیونکہ ان سے میل جول اچھائی کی طرف نہیں لے جاتا۔"

پست اور کمینے لوگوں سے مراد وہ پست فطرت افراد ہیں' جو ایسے کام کرتے ہیں جو لوگوں کے لیے ضرر رساں اور ان کی شخصیت کو نقصان پہنچانے والے ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"اِیّاکَ وَ مُصَاحِبَةَ مَنْ اَلْهٰاکَ عَنْ ذِکْرِ اللهِ وَاَغْرَاکَ بِالْمَعْصِیَةِ فَاِنَّهُ یَخْذُلُکَ عِنْدَ حَاجَتِکَ اِلَیْهِ وَیُوبِقَکَ."

"ایسے شخص کی دوستی سے پرہیز کرو جو تمہیں خدا سے غافل کردے اور گناہ کرنے میں تمہیں جری کردے۔ ایسا شخص ضرورت کے وقت تمہیں تنہا چھوڑ دے گا اور تمہیں ہلاک کردے گا۔"

نیز فرمایا:

اِیّاکَ وَمُصَاحِبَةَ الکَذّابَ. (جھوٹے کی دوستی سے پرہیز کرو) اور معاشرتی اور مادّی حالات یا رشتے داری کے سبب: فَاِذَا اضْطَرَرْتَ اِلَیْهِ فَلاٰ تُصَدِّقْهُ (اگر مجبوراً

اس سے ربط و تعلق کی ضرورت ہو تو اس کی تصدیق نہ کرو) کیونکہ ایسا شخص جو جھوٹ بولنے کا عادی ہو تو یہ خصلت اس میں رچ بس جاتی ہے اور اس کی باتیں جھوٹ ہوتی ہیں (لیکن اس کے باوجود): وَلَاتُعْلِمْهُ اَنَّکَ تُکَذِّبُهُ (اور اسے یہ باور نہ ہونے دو کہ تم اسے جھوٹا سمجھتے ہو) یعنی اس کے ساتھ ہوشیاری اور زیرکی سے پیش آؤ اور اسے اس بات کا علم نہ ہونے دو کہ تم اس پر اعتماد نہیں کرتے: فَاِنَّهُ یَنْتَقِلُ عَنْ وُدِّکَ وَلَایَنْتَقِلُ عَنْ طَبْعِهِ (اس لیے کہ ایسا فرد تمہاری دوستی سے تو ہاتھ کھینچ سکتا ہے لیکن اپنی طبیعت اور خصلت سے ہرگز باز نہیں آ سکتا)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"قَالَ لِی عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِمَا السَّلَام یا بُنَیَّ اِیَّاکَ وَمُصَاحِبَةَ الْقَاطِعِ الرَّحِمَهِ فَاِنِّی وَجَدْتُهُ مَلْعُوناً فِی کِتَابِ اللّٰهِ فِی ثَلَاثَ مَوَاضِعَ."

"میرے والد علی بن الحسینؑ نے فرمایا: بیٹا! جس نے اپنے والدین سے قطع تعلق کر لیا ہو (یعنی جس کے والدین نے اسے عاق کر دیا ہو) اس کی دوستی سے پرہیز کرنا۔ کیونکہ میں نے قرآنِ مجید میں اسے تین جگہ ملعون اور خدا کی لعنت کا مستحق پایا ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اِیَّاکَ وَصُحْبَةَ الْاَحْمَقِ."

"احمق کی دوستی سے پرہیز کرو۔"

احمق وہ ہے جو عقلی توازن اور فکری گہرائی سے محروم ہو۔ جو اچھائیوں کو برا اور برائیوں کو اچھا سمجھے، کیونکہ:

"فَاِنَّهُ اَقْرَبُ مَاتَکُونُ مِنْهُ اَقْرَبُ مَایَکُونِ مَسَاءَ تَکَ."

''تم جتنا بھی اس کے نزدیک ہوگے برائی سے نزدیک ہوگے۔''

نیز آپؑ ہی فرماتے ہیں:

''اِیّاکَ وَصُحْبَةَ الاَحْمَقِ الْکَذّابِ فَاِنَّهُ یُرِیْدُ اَنْ یَنْفَعَکَ فَیَضُرُّکَ، وَیُقَرِّبُ مِنْکَ الْبَعِیْدَ وَیُبَعِّدُ مِنْکَ الْقَرِیْبَ، اِنْ اِئْتَمَنْتَهُ خَانَکَ وَاِنْ اِئْتَمَنْکَ هَانَکَ.''

''جھوٹے احمق کی ہم نشینی سے پرہیز کرو۔ اس لیے کہ وہ تم کو فائدہ پہنچانا چاہے گا لیکن نقصان پہنچا بیٹھے گا۔ دور کو نزدیک اور نزدیک کو دور بنا کر پیش کرے گا اور اگر تم اس کو امین بناؤ گے، تو خیانت کرے گا اور اگر وہ تمہارے پاس امانت رکھے گا تو تمہاری توہین کرے گا۔''

''اِنْ حَدَّثَکَ کَذَّبَکَ وَاِنْ حَدَّثْتَهُ کَذَّبَکَ وَاَنْتَ مِنْهُ بِمَنْزِلَةِ السَّرَابِ الَّذِیْ یَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاءً حَتّٰی اِذَا جَاءَهُ لَمْ یَجِدْهُ شَیْئاً.''

''اگر وہ تم سے بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا اور اگر تم کچھ کہو گے تو تمہیں جھٹلائے گا۔ وہ تمہارے لیے ایسے سراب کی مانند ہوگا جسے پیاسا دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب نزدیک آتا ہے، تو کچھ نظر نہیں آتا۔''

تمہارے دوست اور تمہارے دشمن

کون لوگ ہمارے دوست ہیں اور کون لوگ ہمارے دشمن؟ اس بارے میں حضرت علیؑ نے فرمایا ہے:

''اَصْدِقَاءُکَ ثَلاٰثَةٌ: صَدِیْقُکَ وَصَدِیْقُ صَدِیْقِکَ وَعَدُوُّکَ وَاَعْدَائُکَ ثَلاٰثَةٌ عَدُوُّکَ وَعَدُوُّ صَدِیْقِکَ وَصَدِیْقُ عَدُوِّکَ.''

''تمہارے دوستوں کی تین قسمیں ہیں: تمہارا دوست، تمہارے دوست کا دوست، تمہارے دشمن کا دشمن۔ اسی طرح تمہارے دشمن کی بھی تین قسمیں ہیں: تمہارا دشمن، تمہارے دوست کا دشمن، تمہارے دشمن کا دوست۔''

یہ واضح طریقہ جسے حضرت علی علیہ السلام نے ہمارے لیے معین کیا ہے، اسے ہمیں صرف انفرادی مسائل میں منحصر نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہمیں چاہیے کہ اسے تمام اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی میدانوں میں اور عالمی اور بین الاقوامی تنظیموں اور حکومتوں کی سطح تک وسعت دیں۔ مثال کے طور پر صہیونیوں کو لیتے ہیں، جو فلسطین میں گھس بیٹھے ہیں اور وہاں کے اصل باشندوں کو دربدر کر دیا ہے اور ایک طویل مدتی منصوبہ بندی کے ذریعے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے یہودیوں کو فلسطین میں اکٹھا کر کے وہاں بسانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ اہلِ اسلام سے ان کی دشمنی اور عداوت کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا. (آپ دیکھیں گے کہ صاحبانِ ایمان سے سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے یہودی اور مشرک ہیں۔ سورۂ مائدہ ۵- آیت ۸۲)

یہ وہ دشمن ہیں جنہوں نے پچاس برس سے زیادہ عرصے سے خطے کو سیاسی، اقتصادی، فوجی، سکیورٹی اور حتیٰ ثقافتی اعتبار سے فتنہ و فساد کی آگ میں دھکیل رکھا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا صرف اسرائیل ہمارا دشمن ہے؟

یا اسرائیل کے دوست بھی ہمارے دشمن ہیں؟

ہمیں اسرائیل کے حوالے سے جائزہ لیتے ہوئے یہ نکتہ مدِنظر رکھنا چاہیے کہ یہ صرف امریکہ ہی ہے جو اسرائیل کا سو فیصدی حمایتی اور مسلمانوں کا مخالف ہے۔ پس امریکہ جو ہمارے دشمن نمبر ایک اسرائیل کا دوست ہے، وہ درحقیقت ہمارا بھی دشمن ہے۔ ہمیں امریکی عوام سے کوئی شکایت نہیں، وہاں کے عوام طبیعتاً صلح پسند ہیں اور بہت سے امریکی دائرۂ اسلام میں

داخل ہوئے ہیں اور اگر انہیں اچھے انداز سے اسلام کی دعوت دی جائے، تو ممکن ہے ان کی ایک کثیر تعداد اسلام قبول کر لے۔ مسلمان ملت کو بھی امریکی شہریوں سے کوئی مسئلہ نہیں ہے، نیز پروردگارِ عالم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اچھے طرزِ عمل کے ذریعے اپنے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ. (نیکی اور برائی ہرگز مساوی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا تم برائی کا جواب بہترین طریقے سے دو کہ اس طرح جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ بھی ایسا ہو جائے گا جیسے گہرا دوست ہوتا ہے۔ سورۂ فصلت ۴۱- آیت ۳۴)

اسلام کا اصول ملاپ اور میل جول ہے

عزیزو! اسلام کا اصول ملاپ اور میل جول ہے، جدائی اور قطع تعلق نہیں۔ کیونکہ انسانوں کا ایک دوسرے سے میل ملاپ، ربط و تعلق معاشرے میں موجود دراڑوں کو پر کر دیتا ہے۔ اور بعض اوقات باہمی ربط و تعلق نہ ہونے اور دوریوں کی وجہ سے انسان ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے درمیان خلیج گہری ہو جاتی ہے۔ لیکن باہمی میل ملاپ، قربت اور گفتگو کے ذریعے پتا چلتا ہے کہ سامنے والے کی فکر کیا ہے؟ اسکے اہداف اور خواہشات کیا ہیں؟ اسکے خواب اور تمنائیں کیا ہیں؟ اسکا نقطۂ نظر کیا ہے؟ اور اسی طرح فریق ثانی آپ کے متعلق تمام شناسائی حاصل کر لیتا ہے اور یوں ایک انسان دوسرے انسان کو سمجھنے لگتا ہے۔ اور یہ اسلامی معاشرے کی تنظیم کے اسرار میں سے ایک راز ہے۔

لہٰذا معاشرے میں نظر آنے والی یہ بات کہ بعض لوگ ایک دوسرے سے قطع تعلق کیے ہوئے ہیں اور بعض ایک دوسرے سے گفتگو تک کے روادار نہیں، اسلامی اصولوں کے برخلاف ہے۔

دوستی کے متعلق ایک حدیث میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں:

"لَاتَذْهَبِ الْحِشْمَةَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ اَخِيْكَ وَابْقِ مِنْهَا، فَاِنَّ ذَهَابَهَا ذَهَابُ الْحَيَاءِ."

''اپنے اور اپنے دوست کے درمیان شرم وحیا کا پردہ ختم نہ کرنا، کیونکہ اس پردے کے اٹھ جانے سے حیا کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔''

دو افراد جن کے درمیان دوستی اور رفاقت کا رشتہ قائم ہے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ دو انداز سے پیش آ سکتے ہیں:

۱۔ ایک انداز اور طریقہ یہ ہے کہ ان کے درمیان کوئی پاس ولحاظ نہ ہو، کوئی پردہ نہ رہے، سارے حجاب ہٹ ہو جائیں اور دونوں کے درمیان ایسی کوئی بھی چیز باقی نہ بچے۔ اس بات سے روکا گیا ہے۔ حضرت امام کاظمؑ نے تاکید فرمائی ہے کہ دو افراد کے درمیان کچھ نہ کچھ حیا باقی رہنی چاہئے جس سے پتا چلے کہ وہ ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے احترام کے قائل ہیں۔ کیونکہ اگر سارے حجاب چاک ہو جائیں اور کوئی حد باقی نہ رہے تو دونوں کی دوستی کو نقصان پہنچے گا۔

۲۔ دوسرا انداز اور اسلوب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان ایک حدِ فاصل قائم رہے، وہ ایک دوسرے کے تمام رازوں سے واقف نہ ہوں اور ان کے درمیان باہمی پاس و لحاظ برقرار رہے۔ اور یہی انداز مطلوب ہے۔

ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اِنْ اَرَدْتَ اَنْ يَصْفُوَ لَكَ وُدَّ اَخِيْكَ فَلَا تُمَازِحَنَّهُ (اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے بھائی کے ساتھ تمہاری دوستی خالص ہو تو اس سے ہنسی مذاق نہ کرنا) یہاں مذاق سے مراد گھٹیا اور غیر مہذب مذاق ہیں۔

وَلَا تُمَارِيَنَّهُ (اس کے ساتھ جھگڑا نہ کرنا) مراد یہ ہے کہ ایسی بحث نہ کرنا جس میں بدکلامی ہو جو دوستی کو خراب کر دیتی ہے۔

وَلَا تُبَاهِيَنَّهُ (اور اس کے سامنے شیخی نہ بگھارنا) یعنی اسے اپنے رتبے و مقام، مال و دولت سے مرعوب کرنے کی کوشش نہ کرنا، اور اپنے اس عمل کے ذریعے اس کی شخصیت کو نیچا مت دکھانا۔

وَلَا تُشَارَّنَّهُ (اور اسے نقصان نہ پہنچانا) یعنی اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرنا جس سے فتنہ و فساد سر ابھارے، یا ایسا عمل نہ کرنا جس سے اس کے اور تمہارے درمیان اختلاف پیدا ہو۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اَلْمِرَاءُ يُفْسِدُ الصَّدَاقَةَ الْقَدِيْمَةَ، وَيُحَلِّلُ الْعُقْدَةَ الْوَثِيْقَةَ، وَاَقَلُّ مَا فِيْهِ اَنْ تَكُوْنَ فِيْهِ الْمُغَالِبَةَ."

"جدال پرانی دوستیوں کو خراب کر دیتا ہے، مضبوط رشتوں کو توڑ دیتا ہے اور اس میں کم از کم یہ ضرور ہوتا ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کو زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"

جدال میں کیونکہ ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کو مغلوب کرے، لہٰذا یہ عمل دوستی پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔

"وَالْمُغَالِبَةُ اُسُّ اَسْبَابِ الْقَطِيْعَةِ."

"اور ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کے لیے کوشش ہر برائی کی جڑ ہے۔"

کیونکہ مغلوب شخص محسوس کرتا ہے کہ وہ غالب کی نظر میں حقیر ہو چکا ہے، جبکہ غالب آنے والا خود کو مغلوب پر برتر محسوس کرتا ہے۔ یہ احساسات دوستانہ تعلقات میں دراڑیں

ڈال دیتے ہیں اور دوستی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے ہمیں متوجہ کیا ہے کہ اگر چغل خور لوگ ہمارے بارے میں ہمارے دوستوں کی کہی ہوئی ناروا باتیں، ہمیں آ کر بتائیں، تو ہمیں ان کی بتائی ہوئی باتوں کو قبول نہیں کرنا چاہیے: مَنْ اَطَاعَ الوَاشِی ضَیَّعَ الصَّدِیْقَ (جو بھی چغل خور کی بات مانتا ہے، وہ اپنے دوست کو ضائع کر دیتا ہے) کیونکہ چغل خور کا تو کام ہی منفی اور بری باتوں کو ایک دوسرے سے بیان کرنا ہے اور اس طرح وہ دوستوں کے درمیان قائم پرانی دوستیوں کو بھی برباد کر دیتا ہے اور بنیادی طور پر چغل خور کا مقصد بدی پھیلانے اور ایک دوسرے کے درمیان جدائی ڈالنے کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی وصیت میں محمد بن حنفیہ سے فرمایا:

اِیَّاکَ وَالْعُجْبَ (خود پسندی سے پرہیز کرنا) یعنی ایسا نہ ہو کہ تم اپنے آپ پر ناز کرنے لگو، اور اپنی شخصیت کو بزرگ و برتر سمجھنے لگو۔

وَسُوْءُ الْخُلُقِ (بداخلاقی سے پرہیز کرنا) ایسا نہ ہو کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ برے اخلاق سے پیش آؤ، بدکلامی کرو اور سخت رویہ اختیار کرو۔

وَقِلَّةُ الصَّبْرِ (کم حوصلگی اور بے صبری سے پرہیز کرنا) یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دوسروں کی بدسلوکی اور ان کی اذیت و آزار (خواہ عمداً ہو یا سہواً) کو برداشت نہ کرو اور خبردار کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر کوئی تمہیں اذیت پہنچائے، تمہارے ساتھ بدسلوکی کرے اور تم ایک مدت تک حقیقت واضح ہونے کا انتظار نہ کرو۔

فَاِنَّهُ لَایَسْتَقِیْمُ لَکَ عَلٰی هٰذِهِ الْخِصَالِ الثَّلَاثِ صَاحِبٌ (اس لیے کہ (تم میں) ان تین صفات کے ہوتے ہوئے کوئی تمہاری دوستی پر باقی نہیں رہے گا)

کیونکہ اگر تم اپنے دوستوں کے سامنے اپنی برتری اور فوقیت جتاؤ گے اور یہ کہو گے کہ

میں تم سے برتر ہوں اور تم پست ہو یا ان کے ساتھ بدسلوکی کرو گے یا میل جول کے دوران پیش آنے والی کمزوریوں کو برداشت نہیں کرو گے تو پھر دوستی اور رفاقت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

وَلَا یَزَالُ لَکَ عَلَیْھَا مِنَ النَّاسِ مُجَانِبٌ (ان صفات اور ایسی شخصیت کی بنا پر لوگ تم سے گریز کریں گے اور تم لوگوں سے کٹ کے رہ جاؤ گے)

بدگمانی کی ممانعت

امام علی علیہ السلام نے ہمیں دوستوں کے بارے میں بدگمانی سے منع فرمایا ہے کیونکہ بعض اوقات ہم دوستوں سے یا اسی طرح دوسرے افراد سے ایسا عمل سرزد ہوتے دیکھتے ہیں جسے ہم نیکی اور حسنِ نیت پر مبنی بھی سمجھ سکتے ہیں اور اسے شر اور بدی سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اسی موقع کے لیے امام علیؑ نے فرمایا ہے:

"اِیَّاکَ وَسُوْءَ الظَّنِّ۔" (بدگمانی سے پرہیز کرو)

یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسروں کی منفی باتوں کو اُن کی مثبت باتوں پر ترجیح دینے لگو۔ کیونکہ اس طرح تم دوسروں پر اعتماد کرنا چھوڑ دو گے۔ اور تم اگر دوسروں پر اعتماد سے محروم ہو جاؤ، بالخصوص جبکہ وہ تمہارے دوست بھی ہوں، تو یہ بداعتمادی ممکن ہے تمہارے تعلقات کا خاتمہ کر دے اور تمہاری دوستی میں شگاف ڈال دے اور دوسرے لوگوں سے تمہارے روابط کو پیچیدگیوں کا شکار کر دے۔

حضرت علی علیہ السلام سے ایک جملہ نقل ہوا ہے، جو انسان کو ایک اصول فراہم کرتا ہے، جو یہ بتاتا ہے کہ انسان جب بھی کسی دوسرے انسان کے کسی قول یا عمل کا سامنا کرے، تو اس کے بارے میں مثبت رائے رکھے۔ حضرت فرماتے ہیں: ضَعْ اَمْرَ اَخِیْکَ عَلٰی

اَحْسَنَہٗ (اپنے بھائی کے عمل کی توجیہ بہترین گمان سے کرو) یعنی اگر تمہارا دینی بھائی کوئی ایسا کام انجام دے جو مختلف احتمالات اور پہلوؤں کا حامل ہو۔ یعنی اس میں اچھا احتمال بھی پایا جاتا ہو اور برا احتمال بھی موجود ہو تو برے احتمال پر اچھے احتمال کو فوقیت دو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس پر برائی کا حکم نہ لگاؤ جبکہ اس سے اچھائی کا پہلو نکالنا بھی ممکن ہو۔

"وَلاتَظُنَّنَّ بِكَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ اَخِيْكَ سُوءاً وَاَنْتَ تَجِدُلَهَا فِي الْخَيْرِ مَحْمِلاً."

"اپنے بھائی کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کے متعلق بدگمانی سے کام نہ لو جبکہ تم اس کلام کے متعلق اچھا احتمال بھی دے سکتے ہو۔"

بالفرض اس کی بات میں ۹۹ فی صد بری نیت نظر آ رہی ہو اور صرف ایک فی صد اچھی نیت کا امکان دکھائی دے رہا ہو تو کہو کہ شاید یہی ایک فی صد والا پہلو اس کی مراد ہو۔ اور اسلام اسی نظریے پر اپنے ماننے والوں کی تربیت کرنا چاہتا ہے جو اسلام کے عدالتی اصولوں سے سازگار ہے۔

اگر ملزم پر الزام ثابت نہ ہو سکے تو ایسے مواقع پر وہ بری ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کے ہاتھ میں ریوالور ہو اور اس کے سامنے ایک لاش پڑی ہوئی ہو تو فوراً ہی یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہیے کہ جس شخص کے ہاتھ میں ریوالور ہے وہی قاتل ہے۔ اسلامی عدالت کہتی ہے کہ یہ شخص ملزم ہے اسے مجرم نہ کہو جب تک کہ دلائل اور ثبوت اس کے جرم کو ثابت نہ کر دیں۔ کیونکہ ممکن ہے کچھ نامرئی اور پوشیدہ عوامل سامنے آئیں جن کی بنیاد پر وہ شخص جرم سے بری ہو جائے۔

البتہ قدرتی بات ہے کہ حسنِ ظن رکھنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم ملزم کو جرم سے سو فی صد بری سمجھیں بلکہ مراد یہ ہے کہ نہ اسے صد فی صد مجرم سمجھیں اور نہ ہی اسے صد فی صد بے

گناہ جانیں۔ بلکہ اس جگہ اور اس سے ملتی جلتی صورتوں میں فرد کو صرف ملزم سمجھیں یہاں تک کہ حقیقت واضح ہو جائے۔ اور اصولاً ملزم و مجرم میں فرق ہے' دونوں بالکل علیحدہ مفہوم ہیں۔

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"لاَیَغْلِبَنَّ عَلَیْکَ سُوءُ الظَّنِّ فَاِنَّهُ لاَیَدَعُ بَیْنَکَ وَبَیْنَ صَدِیْقٍ صَفْحاً۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بدگمانی غالب آ جائے۔ اس صورت میں تمہارے اور تمہارے دوست کے درمیان بخشش اور درگزر کی کوئی گنجائش نہ رہے گی۔"

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر کسی کے منہ سے کوئی اچھا کلمہ سنیں تو اسے برے کلمے میں تبدیل کر دیتے ہیں' کیونکہ وہ دوسروں میں کوئی خوبی نہیں دیکھ سکتے۔ ایسے لوگ ان بدبخت افراد کی مانند ہیں جن کی نظر میں زندگی کا صرف تاریک پہلو ہوتا ہے۔ مثلاً عباسی دربار کے معروف شاعر ابن رومی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز میں سے منفی پہلو نکالنے میں ماہر تھا۔ ایک مرتبہ اس کے کچھ دوستوں نے تفریح کا پروگرام بنایا اور اسے مدعو کرنے کے لیے ایک شخص کو جس کا نام حسن تھا اس کے پاس بھیجا۔ جب حسن' ابن رومی کے پاس پہنچا تو ابن رومی نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: حسن۔ یہ سن کر ابن رومی نے لفظ حسن کے الفاظ کی جگہوں کو تبدیل کر دیا اور کہا: نَخساً یعنی تم نحس اور بدشگون ہو اور یہ کہہ کر دروازہ بند کر لیا۔ اس کے دوستوں نے دوسرے شخص کو بھیجا جس کا نام اقبال تھا۔ ابن رومی نے اس کے نام کے حروف کو ادل بدل دیا اور کہا: لابقا' (نہ رہنے والا) اور دروازہ بند کر لیا۔

جی ہاں! بعض افراد ابن رومی کی طرح نفسیاتی الجھاؤ (Complex) کا شکار ہوتے ہیں اور لوگوں کے بارے میں بدگمان رہتے ہیں۔ بعض اوقات لوگ کوئی ایسی بات

کرتے ہیں جس میں خیر کا احتمال پایا جاتا ہے نیز بہت سے صحیح معنی موجود ہوتے ہیں لیکن اس قسم کے لوگ اس بات میں سے برے احتمال کو ترجیح دیتے ہیں اور اسکے بارے میں اچھے احتمال کا اظہار نہیں کرتے۔ یہ بات ہمیں سیاسی، اعتقادی، اجتماعی اور شرعی مسائل میں بھی نظر آتی ہے۔ ایسے افراد کے نزدیک بدگمانی سے زیادہ کوئی دوسری چیز اہم نہیں ہوتی اور جب انھیں ٹوکا جاتا ہے کہ اس درجہ بدگمانی نہ کرو، تو جواب میں کہتے ہیں: سوء الظن من حسن الفطن (بدگمانی ذہانت اور چالاکی میں سے ہے) جبکہ انہیں معلوم نہیں کہ بدگمانی نہ صرف ذہانت کی علامت نہیں بلکہ عدالت، عقل اور حکم شرعی کے برخلاف ہے، بالخصوص اس وقت جب بدگمانی کسی فرد کے متعلق حکم کی بنیاد اور اساس بن جائے۔

حضرت علی علیہ السلام کی ایک حدیث ہے جو دوستی کے رشتے میں استحکام اور مضبوطی سے متعلق ہے، فرماتے ہیں:

''مَنْ نَاقَشَ الاِخْوَانَ قَلَّ صَدِیْقُهُ.''

''جو کوئی اپنے دوستوں سے کڑا حساب لیتا ہے، ان پر سخت نکتہ چینی کرتا ہے، اُس کے دوست کم ہو جاتے ہیں۔''

لہٰذا بات بات پر اپنے دوستوں پر نکتہ چینی کرنے، اور ان کی ایک ایک سانس تک شمار کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں جس میں سے خامیاں نہ نکالی جا سکیں۔ بقول شاعر

اِذَا کُنْتَ فِی کُلِّ الاُمُورِ مُعَاتِباً

صَدِیْقَکَ لَمْ تَلْقِ الَّذِی لاَتُعَاقِبُهُ

''اگر طے ہو کہ دوست اور دوستی کی دنیا میں عیب نکالے جائیں، تو تمہیں کوئی ایسا دوست نہ ملے گا جس کی سرزنش، نکتہ چینی اور باز پرس ممکن نہ ہو۔''

ہر انسان سے لغزش، انحراف اور بے فائدہ عمل سرزد ہو سکتے ہیں، جنہیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اسی بنا پر امام علیؑ نے فرمایا ہے:

"مَنْ نَاقَشَ الاِخْوَانَ قَلَّ صَدِیْقُهُ."

"جو بھی اپنے دوستوں پر نکتہ چینی کرتا ہے، اس کے دوست کم ہو جاتے ہیں۔"

جی ہاں نکتہ چینی ایک ایسا عمل ہے جو دوستوں کی تعداد کم کر دیتا ہے۔

دوست بڑھانے کے طریقے

وہ کیا چیزیں ہیں جن کے ذریعے دوستوں میں اضافہ کیا جا سکتا ہے؟

یہاں ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ اجتماعی مسائل میں بھی اہلِ بیتؑ ہمارے معلم ہیں۔ حضرت امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں:

"مَنْ کَانَ الْوَرَعُ سَجِیَّتَهُ وَالْکَرَمُ طَبِیْعَتَهُ وَالْحِلْمُ خُلَّتَهُ کَثُرَ صَدِیْقُهُ وَالثَّنَاءُ عَلَیْهِ وَانْتَصَرَ مِنْ اَعْدَائِهِ بِحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَیْهِ."

"پرہیز گاری جس کی عادت بن جائے، کرم و بخشش جس کی سرشت ہو اور حلم و بردباری جس کی شان ہو، اس کے دوست زیادہ ہوتے ہیں اور اس کی تعریف کثرت سے کی جاتی ہے اور اسی تعریف کی مدد سے وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہو جاتا ہے۔"

یعنی ان صفات اور خصوصیات کی وجہ سے وہ لوگوں کے دل جیت لیتا ہے، اس کے دوست زیادہ ہو جاتے ہیں اور اس کی محبوبیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی اس صلاحیت کے ذریعے دشمنوں پر کامیابی حاصل کرتا ہے اور اس کے دشمن بھی اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے زُہری کو جو نصیحتیں کیں، ان میں ہے کہ: ایک روز آپؑ نے زہری کو دیکھا کہ وہ حاسدوں اور ان لوگوں کی وجہ سے غمگین اور رنجیدہ خاطر ہیں جن پر انہوں نے احسانات کیے تھے (یاد رہے کہ زہری امام سجادؑ کے اصحاب میں سے تھے اور انہوں نے حضرتؑ سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں) امامؑ نے زہری سے غم واندوہ کا سبب دریافت کیا، تو زہری نے عرض کیا: میں لوگوں کے ساتھ نیکی کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں۔ ایسے افراد کے درمیان زندگی بسر کر رہا ہوں کہ جو ان چیزوں کی وجہ سے مجھ سے حسد کرتے ہیں جو پروردگارِ عالم نے مجھے عطا کی ہیں اور میرے لیے بہت سی انفرادی اور اجتماعی مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ (بالکل ویسی ہی مشکلات جیسی حاسد اور احسان فراموش بدخواہ افراد کی طرف سے بہت سے انسانوں کو اٹھانی پڑتی ہیں) امام سجادؑ نے ان سے فرمایا:

"اَمَّاعَلَیْکَ اَنْ تَجْعَلَ الْمُسْلِمِیْنَ مِنکَ بِمَنْزِلَةِ اَهْلِ بَیْتِکَ."

"تمہیں چاہیے کہ تم تمام مسلمانوں کو اپنے اہلِ خانہ کی طرح سمجھو۔"

یعنی اگر مشکلات سے نجات چاہتے ہو، تو اپنے طرزِ فکر کو تبدیل کرو اور اسلامی سماج کے ہر فرد کو اپنے افرادِ خانہ کی طرح سمجھو اور دیکھو کہ انسان اپنے گھر کے چھوٹوں اور بڑوں کے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے؟ پس تمام مسلمانوں کے ساتھ ایسے ہی پیش آؤ۔ پروردگارِ عالم نے ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ مہر ومحبت سے پیش آئیں اور ان سے برادرانہ سلوک کریں۔ ارشادِ الٰہی ہے: "اِنَّمَاالْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ." (بلاشبہ تمام مومنین آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ سورۂ حجرات ۴۹۔ آیت ۱۰) یعنی پروردگارِ عالم نے ان کے درمیان قائم ایمانی رشتے کو سب سے مضبوط رشتہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا تم بھی تمام مسلمانوں کو ایک ایسے کنبے کے افراد شمار کرو جس میں سب مل جل کر رہتے ہیں۔

فَتَجْعَلَ كَبِيْرَهُمْ بِمَنْزِلَةِ وَالِدِكَ (ان کے بڑوں کو اپنے والد کا درجہ دو) اور ان کا اسی طرح احترام کرو جیسے اپنے والد کا احترام کرتے ہو۔

وَتَجْعَلُ صَغِيْرَهُمْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِكَ (اور ان کے چھوٹوں کو اپنے بچوں کی طرح سمجھو) لہٰذا ان کے ساتھ اسی طرح شفقت اور محبت سے پیش آؤ جیسے اپنے بچوں کے ساتھ پیش آتے ہو۔

وَتَجْعَلُ تِرْبَكَ بِمَنْزِلَةِ اَخِيكَ فَاَيُّ هٰؤُلَاءِ تُحِبُّ اَنْ تُظْلِمَ (اور اپنے ہم سن وسال افراد کو اپنے بھائیوں کی طرح سمجھو)

جب صورتحال یہ ہو تو تم خود ہی بتاؤ کہ ان میں سے کس پر ظلم و زیادتی کرنا پسند کرو گے؟) کیا عقلِ سلیم رکھنے والے کسی انسان کو یہ بات پسند ہوگی کہ وہ اپنے والد اپنے بچوں یا اپنے بھائیوں پر ظلم کرے؟ واضح ہے کہ جب مسلمانوں کو اس نگاہ سے دیکھو گے اور ان کے متعلق اس طرح کا شعور و احساس رکھو گے تو لازماً ان کے ساتھ اس طرح پیش آؤ گے کہ ان پر چھوٹے سے چھوٹا ظلم بھی نہ ہو کیونکہ انسان ہرگز نہیں چاہتا کہ اپنے سے وابستہ افراد میں سے کسی پر ظلم کرے۔

وَاِنْ عَرَضَ لَكَ اِبْلِيْسُ (لَعْنَةُ اللّٰهِ) اَنَّ لَكَ فَضْلاً عَلٰى اَحَدٍ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ (اور اگر شیطان (لعنت اللہ) تمہارے سامنے یوں ظاہر کرے کہ تم مسلمانوں میں سے کسی سے برتر اور افضل ہو) ممکن ہے کہ شیطان تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرے کہ تمہیں دوسروں پر برتری حاصل ہے صرف تم ہی نیک کام انجام دیتے ہو دوسروں کی خدمت کرتے ہو اور سماج کی اصلاح کے لیے کوشاں ہو لہٰذا سب پر لازم ہے کہ تمہاری اطاعت کریں اور تمہارے سامنے سرِ تعظیم خم کریں۔

ہاں بعض لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے۔ جتنی ان کی شہرت بڑھتی ہے اتنا ہی وہ یہ تصور

کرنے لگتے ہیں کہ وہ لوگوں پر حق رکھتے ہیں' جبکہ لوگوں کو ان پر کوئی حق حاصل نہیں۔ لہٰذا وہ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی خدمت کریں اور وہ کسی کی خدمت نہ کریں' وہ چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ نیکی اور احسان ہو لیکن وہ کسی کے ساتھ نیکی و احسان نہ کریں۔

پس اگر شیطان تمہارے دل میں یہ خیال پیدا کردے کہ تمہیں کسی پر فوقیت حاصل ہے' تو: فَاِنْ کَانَ اَکْبَرُ مِنْکَ فَقُلْ قَدْ سَبَقَنِی بِالاِیْمَانِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ (اگر وہ شخص عمر میں تم سے بڑا ہے' تو اپنے آپ سے کہو کہ وہ ایمان اور عملِ صالح میں مجھ سے آگے ہے) یعنی شیطان کے اس فریب اور وسوسے کے متعلق خود اپنے آپ سے کلام کرو اور اس شخص کے بارے میں معلومات کرو' اگر وہ تم سے عمر میں بڑا ہو تو اپنے آپ کو سمجھاؤ کہ اسے مجھ پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ اگر مجھ میں کچھ ایسی خوبیاں ہیں جن کی بنیاد پر میں اس سے بہتر ہوں' تب بھی وہ مجھ سے پہلے دنیا میں آنے کی وجہ سے ایک باایمان اور صالح زندگی گزارنے میں مجھ سے سبقت رکھتا ہے۔ جب میں پیدا بھی نہ ہوا تھا' وہ اس سے قبل ہی ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا: فَهُوَ خَيْرٌ مِنِّی (لہٰذا وہ مجھ سے بہتر ہے)

وَاِنْ کَانَ اَصْغَرُ مِنْکَ فَقُلْ قَدْ سَبَقْتُهُ بِالْمَعَاصِی وَالذُّنُوبِ فَهُوَ خَيْرٌ مِنِّی (اور اگر وہ عمر میں تم سے چھوٹا ہے' تو اپنے آپ سے کہو کہ گناہ اور نافرمانی میں' میں اس پر سبقت رکھتا ہوں لہٰذا وہ مجھ سے بہتر ہے) میں معصوم تو ہوں نہیں' نیز اس سے پہلے بالغ اور سنِ شعور کو پہنچا ہوں اور اس سے پہلے گناہ کا مرتکب ہوا ہوں۔ لہٰذا وہ مجھ سے بہتر ہے' کیونکہ میرے گناہ اس سے زیادہ ہیں۔

وَاِنْ کَانَ تِرْبَکَ فَقُلْ اَنَا عَلَی يَقِيْنٍ مِنْ ذَنْبِی وَفِی شَکٍّ مِنْ اَمْرِهِ فَمَا اَدَعُ يَقِيْنِی لِشَکِّی (اور اگر وہ سن و سال میں تمہارے برابر ہے' تو اپنے آپ سے کہو کہ اپنے گناہوں کے بارے میں تو مجھے یقین ہے لیکن اس کے گناہوں کے متعلق شک رکھتا

ہوں۔ پس میں شک کی بنیاد پر یقین کو نہیں چھوڑ سکتا) مجھے اپنے گناہوں کا تو علم ہے لیکن اس کے گناہوں کے بارے میں نہیں جانتا۔ میں اپنے انجام دیئے ہوئے گناہوں سے تو اچھی طرح واقف ہوں لیکن اس کے گناہوں کا مجھے علم نہیں اور اس بارے میں شک کا شکار ہوں' لہٰذا کیسے اپنے یقین کو ترک کر کے شک پر بھروسہ کروں۔ یوں اس طرح وہ مجھ سے بہتر ہے۔

وَاِنْ رَاَیْتَ الْمُسْلِمِیْنَ یُعَظِّمُونَکَ وَیُوَقِّرُونَکَ وَیُحِبُّونَکَ فَقُلْ هٰذا مِنْ فَضْلٍ اُخِذْتُ بِهٖ (اور اگر دیکھو کہ مسلمان تمہاری تعظیم و توقیر کر رہے ہیں اور تم کو چاہتے ہیں' تو کہو کہ (ان کا یہ طرزِ عمل) ان کی حاصل کردہ فضیلت ہے) بعض لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ انہیں بڑا سمجھتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں' ان کی تعظیم کر رہے ہیں' یا ان کے لیے راستہ چھوڑ رہے ہیں' یا ان کے نام کے نعرے لگا رہے ہیں' تو پھولے نہیں سماتے' اپنے آپ کو دوسری ہی دنیا کی مخلوق سمجھنے لگتے ہیں' جبکہ اگر حقیقت جاننا چاہیں' تو حقیقت یہ ہے کہ احترام کرنے والے یہ افراد ان پر برتری رکھتے ہیں' کیونکہ ان لوگوں پر ان کا احترام کرنا واجب نہ تھا (یہ تو ان لوگوں کے عظمت ہے کہ انہوں نے ان کا احترام کیا) حتیٰ بعض مواقع پر تو یہ لوگ اس قابل بھی نہ تھے کہ ان کا احترام کیا جاتا۔

ہمیں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے عاجزی اور انکساری کا درس لینا چاہیے' جبکہ آپؑ مقامِ عصمت پر فائز تھے اور اگر اس سے بھی بلند کوئی مقام فرض کیا جا سکتا ہے' تو آپؑ اس پر بھی فائز ہیں' لیکن اسکے باوجود آپؑ خدا اور بندگانِ خدا کے ساتھ تواضع اور انکساری کے ساتھ پیش آتے تھے اور جب بھی کوئی آپؑ کی تعریف کرتا تھا' خوفِ خدا کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی خَیْراً مِمَّا یَظُنُّونَ وَاغْفِرْ لِی مَالَا یَعْلَمُونَ."

"پروردگارا! یہ جیسا مجھ کو سمجھتے ہیں مجھے اس سے بہتر قرار دے اور میری جن

لغزشوں کو تو جانتا ہے اور یہ نہیں جانتے ان کو بخش دے۔"

اور حضرت امام سجاد علیہ السلام دعائے مکارم الاخلاق میں ہمیں تعلیم دیتے ہیں۔ (ہماری) نصیحت ہے کہ اس دعا کو روزانہ پڑھیے کیونکہ یہ دعا ہمارے سامنے بہترین انداز میں اخلاقی اور تربیتی راہ و روش کی نشاندہی کرتی ہے' اور کوئی اخلاقی مسئلہ ایسا نہیں جس کا ذکر اس دعا میں نہ کیا گیا ہو۔ لیکن افسوس ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم امام سجادؑ کی معرفت نہیں رکھتے' نہ صرف امام سجادؑ بلکہ تمام ہی ائمہؑ کو ہم نے صرف عزاداری تک محدود کر کے رکھ دیا ہے' ایک مدرسۂ فکر اور بلند نگاہ کی حامل ہستیوں کے طور پر ان سے استفادہ نہیں کرتے۔

بہرحال اس دعا کے ایک حصے میں امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اَللّٰھُمَّ لَاتَرفَعنِی فِی النَّاسِ دَرَجَۃً اِلَّا حَطَطْتَنِی عِنْدَ نَفْسِی مِثْلَھَا وَلَا تُحْدِث لِی عِزاً ظَاھِراً اِلَّا اَحْدَثْتَ لِی ذِلَّۃً بَاطِنَۃً عِنْدَ نَفْسِی بِقَدْرِھَا۔"

"بارالٰہا! لوگوں کے درمیان میرے کسی درجے میں اس وقت تک اضافہ نہ فرما جب تک اسی مقدار میں مجھے اپنی نگاہوں میں حقیر نہ کر دے اور کوئی بھی ظاہری عزت و شوکت مجھے نصیب نہ فرما جب تک اسی مقدار میں مجھے خود میری نظروں میں ذلیل نہ کر دے۔"

لوگوں سے روابط اور تعلقات کے بارے میں امام سجاد علیہ السلام نے اپنے صحابی زہری کو جو نصیحتیں فرمائیں' ہم ایک مرتبہ پھر ان کی طرف آتے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: وَاِنْ رَاَیْتَ مِنْھُمْ جَفَاءً اَوْ اِنْقِبَاضاً عَنْکَ فَقُلْ ھٰذَا الذَّنْبُ اَحْدَثْتُہٗ (اور اگر دیکھو کہ لوگ تم پر ظلم کر رہے ہیں' تم سے بے توجہی برت رہے ہیں' تو کہو کہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے)

پس اگر دیکھو کہ لوگ تمہاری تعظیم و تکریم نہیں کرتے' تم سے محبت سے پیش نہیں آتے'

تو اس کا قصوروار بھی خود اپنے آپ ہی کو سمجھو' یعنی لوگوں کو الزام نہ دو انہیں برا نہ کہو' بلکہ خود کو موردِ الزام ٹھہراؤ کہ تم کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہو یا لوگوں کے حق میں تم نے کوئی کوتاہی کی ہے' جس کی وجہ سے وہ تم سے دور ہو گئے ہیں اور یہ خود تمہارے گناہوں کی سزا ہے۔

فَاِنَّکَ اِنْ فَعَلْتَ ذٰالِکَ سَهَّلَ اللّٰهُ عَلَیْکَ عَیْشَکَ وَکَثَّرَ اَصْدِقَائَکَ وَقَلَّ اَعْدَاءُکَ (اگر تم نے اس طرح عمل کیا تو پروردگارِ عالم تمہاری زندگی کو آسان کر دے گا' تمہارے دوستوں میں اضافہ اور تمہارے دشمنوں میں کمی کر دے گا) یعنی اگر اس فکر اور ذہنیت کے ساتھ لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرو گے' تو نہایت عمدہ نتائج دیکھو گے۔

یہاں ہم' لوگوں کے ساتھ پیش آنے اور دوسروں کے ساتھ اختیار کیے جانے والے طرزِ عمل سے متعلق ائمہ علیہم السلام کی ہدایات اور رہنمائیوں کے صرف ایک گوشے کو سامنے لائے ہیں۔

دوستی کی حدود

اس حصے میں ہم دوستی اور اس کی حدود کے متعلق گفتگو کرنے جا رہے ہیں' اور اس گفتگو کا آغاز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک خوبصورت کلام سے کریں گے:

''لَاتَکُونُ الصَّدَاقَةُ اِلَّا بِحُدُودِهَا' فَمَن کَانَت فِیهِ هٰذِهِ الحُدُودُ اَو شَیئٌ مِنهَا' وَ اِلَّا فَلَا تَنسِبهُ اِلیٰ شَیءٍ مِنَ الصَّدَاقَةِ.''

''بغیر حدود کے دوستی نہیں ہوتی۔ پس جس کسی میں یہ حدود یا ان کا کوئی حصہ پایا جائے وہ دوستی کے لائق ہے اور اگر یہ حدود یا ان میں سے کچھ اس میں نہ پائی جائیں' تو ہرگز اسے اپنا دوست مت سمجھنا۔''

"فَاَوَّلُهَا: اَن تَكُونَ سَرِيرَتُهُ وَ عَلَانِيَتُهُ لَكَ وَاحِدَةٌ."

"پہلی شرط یہ ہے کہ: تمہارے لیے اس کا ظاہر و باطن ایک ہو۔"

ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے سامنے تو تمہیں گلے لگائے، لیکن پیٹھ پیچھے سے خنجر گھونپے۔ بلکہ تمہارے روبرو اور پیٹھ پیچھے دونوں مواقع پر تمہارے لیے اس کی محبت اور اس کا خلوص یکساں ہونا چاہیے۔

"الثانية: اَن يَرَى زَينَكَ زَينَهُ وَ شَينَكَ شَينَهُ."

"دوسری شرط یہ ہے کہ: تمہاری اچھائی کو اپنی اچھائی سمجھے اور تمہاری برائی کو اپنی برائی۔"

یعنی تمہاری پسندیدہ صفات اور فضائل کو اپنے لیے خوبی سمجھے اور اگر تمہارے اندر کوئی برائی دیکھے تو اسے تکلیف ہو۔

"والثالثة: اَن لا تُغَيِّرَهُ عَلَيكَ وِلَايَةٌ وَ لَا مَالٌ."

"تیسری شرط یہ ہے کہ: اقتدار اور مال و دولت تمہارے ساتھ اس کے طرزِ عمل میں تبدیلی نہ لا سکے۔"

یعنی اگر وہ ایک معمولی فرد تھا، نہ اسکے پاس مال تھا نہ منصب و مقام، اور اُس وقت وہ تمہارے ساتھ دوستی میں کسی امتیاز کا قائل نہ تھا۔ پھر اس کی قسمت نے یاوری کی، اسے منصب و مقام حاصل ہو گیا، وہ مال و دولت کا مالک ہو گیا، اس کے باوجود اس نے رشتۂ دوستی استوار رکھا، اور ایسے رہا جیسے کچھ بدلا ہی نہ ہو، تو ایسا شخص تمہارا سچا دوست ہے، اسکی دوستی کی حفاظت کرو اور اس سے ہم نشینی کے مشتاق رہو۔

"والرابعة: لَا يَمنَعُكَ شَيئاً تَنَالُهُ مَقدَرَتُه."

"چوتھی شرط یہ کہ: جو چیز اسے حاصل ہو اور تمہیں اس کی ضرورت پڑ جائے، تو

وہ اسے تمہیں دینے سے منع نہ کرے۔"

"والخامسة: وَ هِیَ اللتی تَجمَعُ هٰذِهِ الخِصَال: اَن لَایُسَلِّمُکَ عِندَ النَّکبَاتِ."

"پانچویں شرط جو گزشتہ تمام شرائط کو اپنے اندر شامل کیے ہوئے ہے، وہ یہ ہے کہ: مصیبت میں تمہیں تنہا نہ چھوڑے۔"

یعنی جب گردشِ زمانہ تمہیں جکڑ لے اور تم مصائب و مشکلات میں پھنس جاؤ، تو وہ تم سے آنکھیں نہ پھیر لے، بلکہ تمہیں دشوار حالات میں گرفتار دیکھنے کے بعد خنداں پیشانی کے ساتھ ان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے، تمہیں تقویت پہنچائے اور مشکلات کے بھنور سے تمہیں صحیح و سالم باہر نکال لے۔

آج کے زمانے میں بھلا ایسے دوست کہاں ملتے ہیں؟

امام علی علیہ السلام کے کلام میں بھی ملتا ہے کہ:

"لَایَکُونُ الصَّدِیقُ صَدِیقاً حَتّٰی یَحفَظَ اَخَاهُ فِی ثَلَاثٍ، فِی نَکبَتِهِ وَ غَیبَتِهِ وَ وَفَاتِهِ."

"کوئی دوست اس وقت تک دوست نہیں ہوسکتا جب تک کہ تین مواقع پر اپنے بھائی کا خیال نہ رکھے۔ مشکلات میں، اس کی عدم موجودگی میں اور اس کی وفات کے بعد۔"

زمانے کی مشکلات اور ان کے حملوں سے اسے محفوظ رکھے اور اگر لوگ پس پشت اس کی غیبت کریں، تو نہ کرنے دے اور کوشش کرے کہ دوسرے اس کے دوست کو صرف اچھے الفاظ سے یاد کریں اور موت کے وقت اور موت کے بعد اس کے اہل و عیال کا خیال رکھے۔

نیز آپؑ ہی نے فرمایا ہے:

''اَلصَّدِیقُ الصَّدُوقُ مَن نَصَحَکَ فِی عَیبِکَ.''

''سچا اور مخلص دوست وہ ہے جو تمہارے نقص وعیب کی اصلاح کے لیے تمہیں نصیحت کرے۔''

پس جیسے ہی تمہارے اندر کوئی عیب دیکھے تمہیں اس سے آگاہ کرے اور اسے دور کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ مخلص دوست کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا دوست ہر طرح کے عیب سے پاک ہو۔

مشہور ومعروف حدیث ہے: اَلمُؤمِنُ مِرآۃُ اَخِیہِ (مومن اپنے بھائی کے لیے آئینہ ہے) مراد یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اپنے بھائی کے اندر دیکھو۔ یعنی بعض اوقات تمہارا بھائی تمہارے بارے میں کچھ ایسی چیزوں کو جانتا ہے جن سے خود تم بھی واقف نہیں ہوتے۔ بالکل اسی طرح جیسے تمہارے چہرے کی خوبصورتی جسے تم خود نہیں دیکھ سکتے آئینہ دکھادیتا ہے۔

وَ حَفَظَکَ فِی غَیبِکَ وَ آثَرَکَ عَلیٰ نَفسِہِ (تمہارا حقیقی دوست وہ ہے جو تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری حفاظت کرے اور اپنے آپ پر تمہیں ترجیح دے) لہٰذا جب کبھی ایسا ہو کہ ایک چیز بیک وقت تمہاری بھی ضرورت ہو اور اس کی بھی ضرورت، تو اپنے آپ پر تمہیں ترجیح دے۔

نیز آپؑ ہی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: اَلصَّدِیقُ مَن کَانَ نَاھِیاً عَنِ الظُّلمِ وَ العُدوَانِ (تمہارا دوست وہ ہے جو تمہیں ظلم اور سرکشی سے روکے) یعنی اگر وہ دیکھتا ہے کہ اس کا دوست گھر میں اپنے اہلِ خانہ پر ظلم کر رہا ہے، یا باہر لوگوں پر ستم ڈھا رہا ہے، تو نہ صرف یہ کہ اس ظلم میں اس کی مدد نہیں کرتا بلکہ اسے ظلم وستم سے روکتا ہے۔

نقل ہوا ہے کہ ایک شخص نے معروف عربی جملے: اُنصُر اَخَاکَ ظَالِماً او

مَظلُوماً (اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے ظالم ہو یا مظلوم) کے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا اور آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ مظلوم کی مدد کے معنی تو ہمیں معلوم ہیں لیکن ظالم کی مدد کے کیا معنی ہیں؟ آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا: ظالم کی مدد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے ظلم کرنے سے روکو' نفس امارہ پر غلبے کے سلسلے میں اسکی مدد کرو' تا کہ اس طرح وہ دوسروں پر ظلم کا مرتکب نہ ہو۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''اَلصَّدِیقُ مَن کَانَ نَاهِیاً عَنِ الظُّلمِ وَ العُدوَانِ مُعِیناً عَلَیٰ البِرِّ وَ الاِحسَانِ.''

''تمہارا دوست وہ ہے جو ظلم اور سرکشی سے تمہیں روکے اور بھلائی و نیکی میں تمہاری مدد کرے۔''

اسی طرح دوسرے مقام پر بھی حضرتؑ سے نقل ہوا ہے کہ:

''اِنَّمَا سُمِّیَ الصَّدِیقُ صَدِیقاً لِاَنَّهُ یَصدُقُکَ فِی نَفسِکَ وَ مَعَایِبِکَ فَمَن فَعَلَ ذَالِکَ فَاستَنَمَ اِلَیهِ فَاِنَّهُ الصَّدِیق.''

''دوست کو ''صدیق'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ تمہاری ذات اور تمہارے عیوب کے متعلق صداقت کا اظہار کرتا ہے۔ لہٰذا جو شخص ایسا کرے تم اسکے ساتھ مطمئن رہو اس لیے کہ وہ تمہارا مخلص دوست ہے۔''

قارئین محترم! ان کلمات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام علیؑ اجتماعی زندگی کی باریکیاں سمجھنے میں عظیم مرتبے پر فائز تھے۔ یہی وہ سبب ہے جس کی بنا پر ہم مسلسل حضرت علیؑ کو سمجھنے اور آپؑ کو پہچاننے کی دعوت دیتے ہیں۔ البتہ ہم اس دعوت کے ذریعے یہ نہیں چاہتے کہ آپ یہ جاننے میں لگ جائیں کہ حضرتؑ نے عرب کے بہادروں اور

مشرک سرداروں جیسے مرحب' عمرو بن عبدود وغیرہ کو کیسے زیر کیا' بلکہ ہماری دعوت کا مقصد یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ آپؐ کس طرح تاریکیوں اور جہل سے پردہ اٹھاتے تھے اور کس طرح عام اذہان کے لیے حقائق کی وضاحت فرماتے تھے۔

نہیں پتا اگر آج امام علی علیہ السلام ہمارے درمیان موجود ہوں' تو ہم ان کے ساتھ کیا کریں؟ کس طرح پیش آئیں اور ہمارا رویہ آپؑ کے ساتھ کیا ہو۔۔۔؟

عمر بن خطاب نے حضرت علی علیہ السلام کی عظمتِ فکر اور دور اندیشی کے متعلق کہا ہے: لَو وَلِيَهَا عَلِيٌّ لَحَمَلَهُم عَلَى المَحَجَّةِ البَيضَاءِ (اگر حکومت علی کے ہاتھوں میں ہوتی' تو وہ لوگوں کو حق اور روشن راستے کی طرف لاتے)

لیکن کون اس درست اور روشن راستے کو قبول کرتا؟

خود آنحضرتؐ نے فرمایا ہے: مَا تَرَكَ لِيَ الحَقُّ مِن صَدِيقٍ (حق نے میرے لیے کوئی دوست باقی نہ چھوڑا) یعنی میں حق پر عمل کرنے میں اس قدر باریک بین' سنجیدہ اور سخت گیر تھا کہ میرے دوست بھی مجھ سے منہ موڑ گئے۔

نیز حضرتؐ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"صَدِيقُكَ مَن نَهَاكَ عَن ارتِكَابِ المَآثِمِ وَ الذُّنُوبِ وَ عَدُوُّكَ مَن اَغرَاكَ."

"تمہارا دوست وہ ہے جو تم کو لغزشوں اور گناہوں سے روکے اور تمہارا دشمن وہ ہے جو تمہارے گناہوں اور عیوب پر تمہیں فریب دے اور تمہیں گستاخ کردے۔"

معروف مثل ہے: مَن اَبكَاكَ بَكَىٰ عَلَيكَ وَ مَن اَضحَكَكَ ضَحِكَ عَلَيكَ (جو تم کو رلائے' وہ تم پر رویا اور جو تم کو ہنسائے' وہ تم پر ہنسا) یعنی اگر تم سے رونے کو

کہا اور تم روئے، تو وہ خود بھی تمہارے ساتھ تم پر رویا اور اگر تم سے ہنسنے کو کہا، تم کو ہنسایا اور خود بھی تمہارے ساتھ ہنسا۔ یعنی خوشی و غمی کے تمام مراحل میں تمہارا ہمدل و ہمدم رہا۔ لیکن افسوس بعض افراد صرف اس کے دوست ہوتے ہیں جو ان پر ہنستے ہیں اور جو ان کے لیے روتے ہیں ان کو نہیں چاہتے اور دوست نہیں رکھتے۔

دوستی سے پہلے آزمائش

لوگوں کی اکثریت کا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہوتا، ان کا ظاہر کچھ ہوتا ہے، اور باطن کچھ اور۔ لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کی زندگی کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرے اور ان کو اچھی طرح پہچانے اور یہ پہچان خواہ ان لوگوں سے میل جول کے دوران ذاتی تجربے کے ذریعے حاصل کرے، یا ان قابلِ اعتماد اشخاص کے ذریعے حاصل کرے جو ان کے یہاں رفت و آمد رکھتے ہیں اور ان کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔

اور یہ امر صرف دوستی اور رفاقت سے مخصوص نہیں ہے، بلکہ انسانی زندگی کے تمام تعلقات، شادی بیاہ اور دیگر روابط میں اسے پیش نظر رکھنا چاہیے۔

شادی کے مسئلے میں ضروری ہے کہ مرد غور کرے کہ اپنی ہونے والی بیوی سے کیا چاہتا ہے اور شادی سے قبل اسکی شخصیت کے مختلف عناصر کے متعلق تحقیق کرے اور یہی باتیں عورت کو بھی اپنے ہونے والے شوہر کے متعلق ملحوظ رکھنی چاہئیں۔ اسے بھی جاننا چاہیے کہ اس کے ہونے والے شوہر میں کن صفات کا پایا جانا ضروری ہے؟ اور وہ خصوصیات اس مرد میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟

کیونکہ شادی سے پہلے کی یہ تحقیق و معلومات ان کی آئندہ ازدواجی زندگی کی سلامتی کی ضامن ہیں۔

دوستو! یہی وجہ ہے کہ شادی میں والدین کو لڑکے اور لڑکی پر اپنی رائے مسلط نہیں کرنی چاہیے اور ان سے تحقیق اور انتخاب کا حق نہیں چھین لینا چاہیے۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ والدین خاندانی مصلحتوں اور خاندانی روابط یا دوستیوں کو مستحکم کرنے کی خاطر اپنے لڑکوں یا لڑکیوں کی شادی ان کی رضامندی کے بغیر کر دیں۔ کیونکہ یہ زندگی ماں، باپ نے نہیں گزارنی، بلکہ انہیں لڑکے اور لڑکی کی زندگی کی مصلحتوں کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

اگر انسان سوچے تو شادی واقعی ایک اہم مسئلہ ہے۔ کیونکہ شادی کے ذریعے ایک شخص آپ کے دن رات کا ساتھی بن جاتا ہے۔ آپ کی زندگی کے تمام اسرار سے آگاہ ہو جاتا ہے اور زندگی کے طویل سفر کے تمام مراحل میں آپ کا ہم سفر قرار پاتا ہے۔ بتائیے کیسے ممکن ہے کہ بغیر تحقیق کے ایسے شخص کا انتخاب کر لیا جائے؟

لہٰذا ضروری ہے کہ انسان اپنے شریکِ حیات کے متعلق یا تو خود ذاتی طور پر تحقیق کرے یا صاحبِ نظر افراد اور مخلص اور خیر خواہ دوستوں سے مشورہ کرے۔

یہ تحقیق اور معلومات کا حصول نہ صرف شادی کے مسئلے میں بلکہ تمام روابط میں ضروری ہے، خواہ وہ معاشی روابط ہوں، یعنی کسی کو کاروباری شریک بنانا چاہتے ہوں، یا سیاسی روابط ہوں اور آپ کسی پارٹی یا تنظیم کا رکن بننا چاہتے ہوں اور خواہ کوئی دوسرا انسانی رابطہ ہو۔ ہر چیز سے قبل افراد کے بارے میں تحقیق کرنا چاہیے اور ان کے متعلق مطلوبہ معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔

احادیث، آزمائش کی تاکید کرتی ہیں

آیئے سب مل کر اس باب میں ائمہ علیہم السلام کے کلام کی جانب چلتے ہیں اور اسے بغور سنتے ہیں۔ کتاب غرر الحکم میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"قَدِّمِ الاختِبَارَ فِی اتِّخَاذِ الاِخوَانِ فَاِنَّ الاِختِبَارَ مِعیَارٌ تَفرُقُ بِهِ بَینَ الاَخیَارِ وَ الاَشرَارِ."

"دوست بنانے سے پہلے اس کی آزمائش کرو کیونکہ آزمائش اچھے اور برے کے درمیان تمیز کا پیمانہ ہے۔"

یعنی آزمائش وہ پیمانہ ہے جو آپ کے سامنے واضح کر دیتی ہے کہ کون نیک ہے اور کون بد۔ لہٰذا جب تک کسی انسان کی آزمائش نہ کر لو اور اس کے اخلاق، افکار اور طور طریقوں کو پرکھ نہ لو اسے دوست نہ بناؤ۔

ایک دوسری حدیث میں امام علیؑ فرماتے ہیں:

"قَدِّمِ الاِختِبَارَ وَ اَجِدِ الاِستِظهَارَ فِی اِختِیَارِ الاِخوَانِ وَ اِلَّا اَلجَاکَ الاِضطِرَارُ اِلٰی مُقَارَنَةِ الاَشرَارِ."

"پہلے آزمائش کرو پھر دوست بناؤ اور دوست بنانے میں احتیاط سے کام لو (وگرنہ گردشِ زمانہ اور) مجبوری تمہیں اشرار کی ہم نشینی پر مجبور کر دے گی۔"

کتاب "کنز العمال" میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے:

"اِذَا رَاَیتَ مِن اَخِیکَ ثَلاثَ خِصَالٍ فَارجُهُ الحَیاءُ وَ الاَمَانَةُ وَ الصِّدقُ وَ اِذَا لَم تَرَهَا فَلاتَرجُه."

"جب بھی اپنے بھائی میں یہ تین خصوصیات دیکھو تو اس کی دوستی اور محبت کے امیدوار رہو۔

۱۔ حیا۔

۲۔ امانت داری۔

۳۔ صداقت۔

اور اگر یہ چیزیں اس میں نظر نہ آئیں تو وہ دوستی کے قابل نہیں ہے۔"

یعنی ہوشیار رہو کہ جس کو دوست بنا رہے ہو وہ کہیں بے شرم و بے حیا نہ ہو بلکہ اسے با حیا، معزز اور لوگوں کے ساتھ تعلقات میں حیا کا پابند ہونا چاہیے۔ کیونکہ ایسا شخص لوگوں کے ساتھ احترام سے پیش آتا ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

"اِختَبِرُوا اِخوَانَکُم بِخَصلَتَینِ فَاِن کَانَت فِیھِم وَ اِلاَّ فَاعزُبْ ثُمَّ اعزُبْ."

"دو خصوصیات سے اپنے بھائیوں کی آزمائش کرو۔ اگر یہ خصوصیات ان میں پائی جائیں تو انہیں اپنا دوست اور بھائی بناؤ ورنہ چھوڑ دو۔

(وہ خصوصیات یہ ہیں)

۱- اَلمُحَافَظَةُ عَلَی الصَّلاَةِ فِی مَوَاقِیتِھَا (نماز کو اس کے مقررہ وقت پر ادا کرنے کا پابند ہو)

ایسے فرد کی دوستی خدا کی بندگی اور اطاعت میں مددگار ثابت ہوتی ہے اور اسی طرح اطاعتِ الٰہی میں مسلسل انہماک، اور پابندیٔ وقت کا احترام لوگوں کے ساتھ اجتماعی میل ملاپ میں انسان کی طبیعت پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔

۲-وَ البِرُّ بِالاِخوَانِ فِی العُسرِ وَ الیُسرِ (تنگی اور فراخی دونوں حالتوں میں اپنے بھائی کے ساتھ حسنِ سلوک)

یعنی مدد اور معاونت کے ذریعے حتیٰ المقدور اپنے بھائی کی ضروریات پوری کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک دوسری حدیث میں ہے:

"اِذَا کَانَ الزَّمَانُ زَمَانُ جَورٍ وَ اَھلُهُ اَھلَ غَدرٍ فَالطُّمَانِینَةُ اِلٰی

كُلُّ اَحَدٍ عَجزٌ. "

"جب ایسا زمانہ ہو جس میں ظلم و جور کا دور دورہ ہو اور جب اہلِ زمانہ دھوکے باز اور فریبی ہوں تو ایسے دور میں ہر ایک پر بھروسہ کر لینا عجز و ناتوانی (کا موجب) ہے۔"

یعنی جب کبھی ایسا دور ہو کہ افرادِ معاشرہ ایک دوسرے پر ظلم و ستم کریں ایک دوسرے کی حق تلفی کریں ایک دوسرے کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان نہ نبھائیں ایک دوسرے کے ساتھ دھوکے و فریب کے مرتکب ہوں تو ایسے دور میں کسی پر اطمینان و اعتماد نہ کرنا خود کو دست بستہ کسی کے حوالے نہ کر دینا بلکہ ہر ایک کو آزمانا تاکہ اس کی حقیقت تم پر واضح ہو جائے کہ ظالم و ستم گر ہے یا وفادار اور عادل؟

ایک حدیث میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

" لاَ تَثِق بِالصَّدِيقِ قبلَ الخِبرَةِ."

"کسی دوست پر اس وقت تک بھروسہ نہ کرو جب تک اسے پرکھ نہ لو۔"

اگر مخصوص حالات اور روزمرہ زندگی میں سماجی تعلقات کے دوران آپ کی کسی سے شناسائی ہو جائے پھر وہ آپ کا دوست بن جائے تو فوراً ہی اس پر اعتماد نہ کر لیجیے اپنی زندگی کے رازوں اور پوشیدہ باتوں سے اسے آگاہ نہ کر دیجیے اور اسے اپنی زندگی میں شامل نہ کیجیے جب تک کہ اسے آزمانہ لیجیے اور اچھی طرح پرکھ نہ لیجیے کہ وہ ایک قابلِ اعتماد دوست کے معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"تَجَنَّب عَدُوَّکَ وَ احذَر صَدِيقَکَ مِنَ الاَقوَامِ اِلاَّ الاَمِينَ مَن خَشِيَ اللّٰهَ."

"اپنے دشمن سے دور رہو اور قوم و قبیلے سے تعلق رکھنے والے دوست سے محتاط رہو سوائے اس امین شخص کے جو خوفِ خدا رکھتا ہو۔"

قدرتی بات ہے کہ جو شخص کھلا اور آشکارا دشمن ہے اس سے انسان کو دور رہنا چاہیے کیونکہ دشمن کی تو ذہنیت ہی نقصان پہنچانا ہے۔ لہٰذا اس سے فاصلہ رکھنا چاہیے تاکہ اس کی طرف سے پہنچنے والے نقصان سے محفوظ رہے لیکن وہ دوست جس کی امانت داری کو پرکھ نہیں سکے ہو اس سے محتاط رہو۔

یہاں اس نکتے پر توجہ دلانا ضروری ہے کہ احتیاط پر عمل کرنے کے معنی یہ نہیں کہ دوستی ترک کر دی جائے۔ لہٰذا امامؑ نے دو مختلف الفاظ تَجَنّب اور اِحذَر یعنی دوری اختیار کرو اور احتیاط برتو کا استعمال کیا ہے۔ اور احتیاط کے معنی یہ ہیں کہ محتاط رہو اور خود کو مکمل طور پر اس کے حوالے نہ کر دو تاکہ اگر بعد میں معلوم ہو کہ وہ امانت دار اور رازوں کا محافظ نہیں ہے تو اس کے ساتھ دوستی اور تعلقات پر نظر ثانی کر سکو۔ کیونکہ ممکن ہے وہ تمہارا دشمن ہو اور اس نے تم سے اپنی دشمنی کو چھپایا ہوا ہو۔

بقول شاعر:

اِحذَر عَدُوَّکَ مَرَّۃً وَ اِحذَر صَدِیقَکَ اَلفَ مَرَّۃً
فَلَرُبَّ مَا انقَلَبَ الصَّدِیقُ فَکَانَ اَدرِیٰ بِالمَضَرَّۃِ

"یعنی اپنے دشمن سے ایک بار احتیاط کرو اور اپنے دوست سے ہزار بار۔ ممکن ہے دوست بدل جائے اس صورت میں تمہیں نقصان پہنچانے کے طریقوں سے دوسروں سے زیادہ واقف ہوگا۔"

بے شک، جو دوست آپ کے تمام رازوں سے واقف ہے اگر آپ کے اور اس کے درمیان دشمنی پیدا ہو جائے یا کوئی اختلاف جنم لے لے تو وہ آپ کے تمام راز جن کے

انکشاف سے آپ کو نقصان پہنچے گا' آپ کے دشمنوں کے سامنے کھول کر بیان کردے گا۔

جس طرح پہلے بھی ہم نے عرض کیا' احتیاط برتنے کے معنی یہ ہیں کہ اپنے آپ کو پوری طرح اس کے حوالے نہ کردیں' اس بات کو ہم نے بارہا حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''لَاتَثِقَنَّ بِاَخِیکَ کُلَّ الثِّقَةِ فَاِنَّ صَرعَةَ الاِستِرسَالِ لاتُستَقَالُ.....''

''اپنے بھائی پر مکمل اعتماد نہ کرو' اس لیے کہ خوش فہمی کی وجہ سے پہنچنے والا نقصان ناقابلِ تلافی ہوتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اندھے اعتماد کی ممانعت کی گئی ہے۔ آپ کے اور آپ کے دوست کے درمیان کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اگر پتا چلے کہ اس کی دوستی آپ کے ساتھ حقیقی اور مخلصانہ نہیں ہے' یا اسکی دوستی دشمنی میں تبدیل ہوجائے تو آپ اس سے خود کو محفوظ رکھ سکیں۔

اسی بارے میں امام علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''اُبذُل لِصَدِیقِکَ کُلَّ مَوَدَّةٍ وَ لَاتَبذُلْ لَهُ کُلَّ الطُّمَانِینَةِ.''

''اپنے دوست پر اپنی پوری محبت نچھاور کردو' لیکن اس پر مکمل بھروسہ نہ کرو۔''

احتیاط کو اپنا شعار بنانے کی کوشش کرو' تاکہ اگر دوست کی دوستی ناقابلِ اعتماد نظر آئے تو خود کو اس سے محفوظ رکھ سکو۔

آپؑ ہی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''لَاتَرغَبَنَّ فِی مَوَدَّةِ مَن لَم تکشِفهُ''

''جس کو پہچانا نہیں ہے اور جس کی حقیقت سامنے نہیں آئی ہے' اس کی محبت کی خواہش نہ کرو۔''

آزمائش کے طریقے

ائمہ علیہم السلام کی بہت سی احادیث میں دوست کی آزمائش کے طریقے بیان ہوئے ہیں۔ حضرت امام علی علیہ السلام کی ایک حدیث ملاحظہ ہو:

"عِندَ زَوَالِ القُدرَةِ یَتَبَیَّنُ الصَّدِیقُ مِنَ العَدُو."

"اقتدار کے خاتمے پر دوست اور دشمن کا پتا چلتا ہے۔"

اگر شان و شوکت، قدرت و قوت کے اعتبار سے تمام معاملات اچھی طرح چل رہے ہوں اور تمہیں علمی، سیاسی، سماجی اور مذہبی حیثیت حاصل ہو تو اس صورت میں سبھی اپنے آپ کو تمہارا دوست ظاہر کریں گے۔ لیکن اگر اقتدار کا خاتمہ ہو جائے اور منصب و مقام، مال و دولت تمہارے ہاتھ سے جاتے رہیں، تب تمہارے دوست اور دشمن کی شناخت ہوگی۔ جو دوست ہوگا وہ تمہارے ساتھ رہے گا، خواہ دولت مندی کے بعد تم فقیر اور قلاش ہی کیوں نہ ہو جاؤ اور قدرت و قوت کے بعد تم عاجز و ناتواں ہی کیوں نہ ہو جاؤ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یَمتَحِنُ الصَّدِیقُ بِثَلاثِ خِصَالٍ فَإن کَانَ مُوَاتِیاً فِیهَا فَهُوَ الصَّدِیقُ المُصَافِی وَ إلاّ کَانَ صَدِیقَ رَخَاءٍ لاَصَدِیقَ شِدَّةٍ."

"تین چیزوں سے دوست کی آزمائش کی جاتی ہے۔ اگر وہ آزمائش پر پورا اترے، تب تو مخلص اور سچا دوست ہے، وگرنہ اچھے وقتوں کا دوست ہوگا برے اور مشکل وقت کا رفیق نہیں۔"

(وہ تین چیزیں یہ ہیں)

۱۔ تَبتَغِی مِنهُ مَالاً (اس سے مال طلب کرو)

اگر وہ مثبت جواب دے تو تمہارا دوست ہے اور اگر مالی یا اسی نوعیت کی کوئی دوسری قربانی دینے میں ہچکچاہٹ کا اظہار کرے تو اس سے امید بے کار ہے۔

۲۔ اَو تَامَنهُ عَلٰی مَالٍ (یا اسے مال پر امین بناؤ)

اپنا کچھ مال اسکے سپرد کرو اور دیکھو کہ اس کی حفاظت کرتا ہے یا تمہارے ساتھ خیانت کرتا ہے۔

۳۔ اَو تُشَارِکُهُ فِی مَکرُوهٍ (یا اپنی مشکلات میں اسے شریک کرو)

مصائب و مشکلات میں اسے شریک کرو تا کہ پتا چلے کہ ابتلا، بلا اور مصیبت کے وقت کیا طرزِ عمل اختیار کرتا ہے۔

اسی طرح دوست کی پرکھ اور پہچان کا ایک راستہ یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ وہ کن لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ سے نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''لَاتَحکُمُوا عَلٰی رَجُلٍ فِی شَیءٍ حَتّٰی تَنظُرُوا مَنْ لِصَاحِبُ فَاِنَّمَا یُعرَفُ الرَّجُلُ بِاَشکَالِهِ وَاَقرَانِهِ وَیُنسَبُ اِلٰی اَصحَابِهِ وَ اَخوَانِهِ.''

''کسی کے بارے میں بھی اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ کرو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ اس کا میل جول کن لوگوں کے ساتھ ہے۔ کیونکہ انسان اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ذریعے ہی پہچانا جاتا ہے اور اسے اس کے ساتھیوں اور دوستوں کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔''

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''لَایُعرَفُ النَّاسُ اِلَّا بِالاِختِبَارِ فَاختَبِر اَهلَکَ وَ وَلَدَکَ فِی غَیبَتِکَ.''

''لوگ آزمائے بغیر پہچانے نہیں جاتے۔ لہٰذا اپنے اہلِ خانہ اور آل اولاد کو

اپنی غیر موجودگی میں آزماؤ۔"

یعنی دیکھو کہ یہ لوگ تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں، تمہارا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے ہیں یا برے لفظوں میں؟

" وَ صَدِیقَکَ فِی مُصِیبَتِکَ."

"اور اپنے دوست کو مصیبت کے وقت (آزماؤ)۔"

یعنی دوست کو اس وقت آزماؤ جب تم پر، تمہارے اہل وعیال پر اور تمہارے مال و دولت پر کوئی مصیبت نازل ہو اور دیکھو کہ اس مصیبت کے وقت جب کہ تمہارے قدم لرز رہے ہیں، تمہارا دوست کہاں کھڑا ہے؟

" وَ ذَا القَرَابَةِ عِندَ فَاقَتِکَ."

"اور رشتے داروں کو اپنی ناداری میں (آزماؤ)۔"

اعزہ واقربا کو فقر وتنگ دستی کے دنوں میں آزماؤ۔ اگر تمہاری مدد اور معاونت کریں، تو سچے دوست اور مخلص عزیز ہیں، وگرنہ نہیں۔

" وَ ذَا التَّوَدُّدِ وَ المَلَقِ عِندَ عُطلَتِکَ."

"اور اپنی محبت کا دم بھرنے والوں اور خوشامد کرنے والوں کو اپنی بیکاری کی حالت میں (آزماؤ)۔"

جو شخص اپنی شیریں بیانی کے ذریعے تمہاری خوشامد کرتا ہو، اسے بے کاری اور پریشانی کے ایام میں آزماؤ۔

" لِتَعلَمَ بِذَالِکَ مَنزِلَتَکَ عِندَهُم."

"اس طرح تمہیں ان کے نزدیک اپنی قدر ومنزلت کا علم ہو جائے گا۔"

بہترین دوست

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہترین دوست کے متعلق سوال کیا گیا۔

"اَیُّ الاَصحَابِ اَفضَلُ؟"

"سب سے بہتر دوست کون ہے؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"قَالَ اِذَا ذَکَرتَ اَعَانَکَ وَ اِذَا نَسِیتَ ذَکَّرَکَ."

"جب تم (خدا کو) یاد کرو تو تمہاری مدد کرنے والا اور جب تم (خدا کو) بھول جاؤ تو تمہیں (اس کی) یاد دلانے والا۔"

یعنی سب سے بہترین دوست وہ ہے کہ جب تم خدا کی یاد میں مشغول ہو جب تم دوستوں کے حقوق اور تمام اچھی باتوں کو یاد رکھے ہوئے ہو تو وہ ان تمام امور میں تمہارا مددگار ہو۔ اور اگر تم خدا کو فراموش کر دو بھائیوں کے حقوق اور اچھائیوں کو بھلا بیٹھو تو وہ تمہیں ان امور کی پابندی کی جانب متوجہ کرے۔ ایسا ہی شخص تمہارا بہترین دوست ہے جو بھول اور غفلت کے عالم میں بھی تمہاری معاونت کرے اور یاد اور توجہ کے عالم میں بھی تمہارا مددگار ہو۔

ایک دوسرے مقام پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

"اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبدٍ خَیراً جَعَلَ لَہُ وَزِیراً صَالِحاً اِن نَسِیَ ذَکَّرَہُ وَ اِن ذَکَرَ اَعَانَہُ."

"جب بھی پروردگارِ عالم کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کے لیے ایک اچھا وزیر مقرر فرما دیتا ہے کہ اگر وہ بھولا ہوا ہو تو (یہ وزیر) اسے یاد دلاتا ہے اور اگر اسے یاد ہو تو اس سے تعاون کرتا ہے۔"

یعنی اگر خدا کی طرف سے عائد کردہ فرائض اور ذمے داریوں کو بھولا ہوا ہو تو یہ دوست اسے یاد دلاتا ہے اور اگر اسے اپنے فرائض اور ذمے داریاں یاد ہوں تو یہ دوست ان کی انجام دہی میں اسکی مدد کرتا ہے۔

دوست کا حق

اب ہم دوست کے حقوق کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام سے "رسالۂ حقوق" میں نقل ہوا ہے:

"اَمَّاحَقُّ الصَّاحِبِ فَاَن تَصحَبَهُ بِالتَّفَضُّلِ وَالاِنصَافِ."

"البتہ دوست کا حق یہ ہے کہ اس سے فضل اور انصاف کے ساتھ پیش آؤ۔"

یعنی خدمت گزاری، تعظیم و تکریم اور بخشش و عطا کے ذریعے اس کے ساتھ فضل و احسان کرو، یا کم از کم اس کے ساتھ انصاف کرو اور اسے اس کا حق دو۔

"وَ تُکرِمُهُ کَمَا تُکرِمُکَ."

"اس کی ویسی ہی عزت کرو جیسی وہ تمہاری عزت کرتا ہے۔"

"وَلَاتَدَعهُ یَسبَقُ اِلٰی مَکرَمَةٍ."

"کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شرافت اور بزرگی میں پہل کر جائے۔"

یعنی ادب و احترام اور جو چیزیں مکارمِ اخلاق میں شمار ہوتی ہیں ان میں تم اس پر مقدم رہو۔

"فَاِن سَبَقَ کَافَاتَهُ."

"اور اگر وہ پہل کر جائے تو اسے اس کا بدلا دو۔"

"وَ تَوَدُّهُ کَمَا یَوَدُّکَ وَ تَزجُرُهُ عَمَّا یَهُمُّ بِهِ مِن مَعصِیَةٍ."

''اس کے ساتھ اسی طرح محبت سے پیش آؤ جس طرح وہ تمہارے ساتھ محبت سے پیش آتا ہے' اور اسے اس گناہ سے روکو جس کا وہ مرتکب ہوتا ہے۔''

اگر دیکھو کہ وہ ذوق وشوق کے ساتھ گناہ کرتا ہے اور اس کی طرف راغب ہے' تو دوستی کا حق یہ ہے کہ تم اسے ارتکابِ گناہ سے منع کرو۔

''وَ کُن عَلَیہِ رَحمَۃً وَ لَاتَکُن عَلَیہِ عَذَاباً۔''

''اس کے لیے رحمت بنو' عذاب نہ بنو۔''

بیماری' فقر وفاقے' خوشی اور غمی الغرض ہر حال میں اس کے لیے رحمت ثابت ہو' ان مشکلات میں اسے فراموش نہ کرو۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے:

''وَ حَقُّ الخَلِیطِ اَن لَاتَغُرَّہُ وَ لَاتَغُشَّہُ وَ لَاتَخدَعُہُ وَ تَتَّقِی اللّٰہَ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ فِی اَمرِہِ۔''

''دوست کا حق یہ ہے کہ اسے دغا نہ دو' نہ اس کے ساتھ فریب کرو' نہ ہی اسے دھوکا دو اور اس کے بارے میں پروردگارِ عالم سے ڈرو۔''

مفضل کہتے ہیں کہ:

''دَخَلتُ عَلَی اَبِی عَبدِ اللّٰہِ فَقَالَ لِی : مَن صَحِبَکَ؟ فَقُلتُ: رَجُلٌ مِن اِخوَانِی' قَالَ: فَمَا فَعَلَ؟ فَقُلتُ: مُنذُ دَخَلتُ المَدِینَۃَ لَم اَعرِف مَکَانَہُ' فَقَالَ لِی :اَمَا عَلِمتَ اَنَّ مَن صَحِبَ مُؤمِناً اَربَعِینَ خَطوَۃً سَاَلَہُ اللّٰہُ عَنہُ یَومَ القِیَامَۃِ۔''

''میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرتؑ نے مجھ سے فرمایا: تمہارا ساتھی کون تھا (یعنی سفر میں تمہارے ساتھ کون

تھا؟) میں نے عرض کیا: میرا ایک بھائی (یعنی میں اسے نہیں جانتا تھا) فرمایا: وہ کیا کام کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: مدینہ تک مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کیا کرتا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جو کوئی بھی کسی مومن کے ساتھ چالیس قدم سفر کرے گا' تو پروردگارِ عالم روزِ قیامت اس سے اس کے متعلق سوال کرے گا۔"

لہٰذا انسان جس کسی کے ساتھ بھی سفر کرتا ہے' اسے اس پر حق ہم نشینی حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسے معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کیا کرتا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ اس کے حال احوال کیسے ہیں؟ اور اس وقت تک اس سے جدا نہ ہو جب تک ان تمام امور کے بارے میں واقفیت حاصل نہ کر لے۔

حضرت علی علیہ السلام کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

ایک روز حضرت علی علیہ السلام ایک یہودی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ آپؑ ایک راستے سے جانا چاہتے تھے' جبکہ اس یہودی کی خواہش تھی کہ دوسرا راستہ اختیار کیا جائے۔ لیکن امامؑ نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا (اور اس کی اختیار کردہ راہ پر آپؑ بھی چلنے لگے) یہاں تک کہ وہ دوراہا آ گیا جہاں سے آپؑ کو اس یہودی سے جدا ہونا تھا۔ یہاں پہنچ کر بھی آپؑ اس سے علیحدہ نہ ہوئے اور کچھ دور تک اس کے ساتھ چلتے رہے۔ یہودی نے کہا: اے ابوالحسنؑ! آپؑ کا راستہ تو اس طرف ہے' کیا آپؑ کا خیال بدل گیا ہے اور آپؑ نے اپنی منزل بدل دی ہے؟ امامؑ نے فرمایا: نہیں' ایسا نہیں ہے' بلکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: جب کبھی تم کسی کے ساتھ سفر کرو تو تم پر اس کا حق یہ ہے کہ' امن کے مقام تک اس کے ہمراہ چلو اور اسکے بعد اس سے جدا ہو۔ یہودی نے پوچھا: کیا یہ آپؑ کے پیغمبرؐ کا فرمان ہے۔ امامؑ نے جواب دیا: ہاں۔ یہودی نے کہا: اپنا ہاتھ بڑھائیے (آپؑ نے ہاتھ

بڑھایا) یہودی نے آپؐ کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور کہا: ''اَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ'' (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اس کے رسول ہیں) اس طرح وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔

ہم اس واقعے اور امام علی علیہ السلام کے یہودی کے ساتھ اس سلوک سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مناظرے اور علمی و فلسفی بحثوں کی نسبت اسلامی اخلاق کے ذریعے دوسروں کو کہیں زیادہ اسلام کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرح کے عمل عقل، قلب، احساس اور شعور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ اپنے عمل کے ذریعے اسلامی اخلاق کی جانب لوگوں کی رہنمائی کریں جیسے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''كُونُوا دُعَاةً لِلنَّاسِ بِغَيرِ اَلسِنَتِكُم لِيَرَوا مِنكُم الصِّدق وَ الخَيرَ وَ الوَرَعَ فَاِنَّ ذَالِكَ دَاعِيَةٌ.''

''لوگوں کو اپنی زبان کے بغیر (عمل سے) اسلام کی طرف دعوت دو۔ لوگ تم میں سچائی، عملِ خیر اور پرہیز گاری دیکھیں۔ بلاشبہ یہی چیزیں دعوت دیتی ہیں۔''

پس اگر ہم حق کی راہ اپنا کر لوگوں کے ساتھ سچائی پر مبنی طرزِ عمل اختیار کریں، پارسائی اور امانت کو اپنا شعار بنائیں، تو ہمارا یہ عمل لوگوں کو خود بخود اسلام کی جانب لانے کا موجب بنے گا، کیونکہ لوگ اس طرزِ عمل میں اسلام کو مجسم دیکھیں گے۔

مولا علی علیہ السلام کی ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

''لاتَقْطَعْ صَدِيقاً وَ اِنْ كَفَرَ.''

''دوستی کے رشتے کو نہ توڑو، خواہ تمہارا دوست کافر ہو۔''

لہٰذا دوستوں سے میل ملاپ اور تعلقات ضروری ہیں، خواہ وہ آپ کے ایمانی دوست ہوں یا سماجی زندگی میں بن جانے والے دوست۔ ہم پر لازم ہے کہ اپنے دوستوں سے

دوستی کا رشتہ قطع نہ کریں، چاہے وہ مومن ہوں چاہے کافر۔ اس حدیث سے امامؑ کی یہ مراد محسوس ہوتی ہے کہ ہمیں کفار کے ساتھ بھی اسلامی اخلاق کے ساتھ پیش آنا چاہیے، ممکن ہے ہمارے اس سلوک سے وہ اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔

آخر میں ہم امام علی علیہ السلام کا ایک قول نقل کر رہے ہیں، جو نصیحت و موعظہ بھی ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ انسان کے واقعی دوست کون سے افراد ہیں۔ فرماتے ہیں:

" اِنَّ لِلمَرءِ المُسلِمِ ثَلاثَةُ اَخِلاَّء ."

"ہر مسلمان انسان کے لیے تین طرح کے دوست ہیں۔"

"فَخَلِیلٌ یَقُولُ لَهُ اَنَا مَعَکَ حَیّاً وَ مَیتاً وَ هُوَ عِلمُهُ."

"ایک دوست ایسا ہے جو اس سے کہتا ہے کہ میں زندگی اور موت دونوں میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ اس کا علم ہے۔"

انسان کا علم موت کے وقت بھی اس کے ساتھ اسی طرح رہے گا جیسے زندگی میں اس کے ساتھ تھا، البتہ اس وقت جب عمل کے ہمراہ ہو۔

"وَخَلِیلٌ یَقوُلُ لَه اَنَا مَعَکَ حَتّی تَمُوتَ وَ هُوَمَا لَهُ."

"دوسرا دوست کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، لیکن صرف تا دمِ مرگ۔ یہ اس کا مال ہے۔"

انسان کا مال اس کے ہمراہ اس وقت تک رہتا ہے جب تک اس کی موت واقع نہیں ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد اسے ایک کفن دے کر چھوڑ دیتا ہے۔

"وَ خَلِیلٌ یَقُولُ لَهُ اَنَا مَعَکَ اِلَی بَابِ قَبرِکَ ثُمَّ اُخَلِّیکَ وَ هُوَ وَلَدُهُ."

"اور تیسرا دوست اس سے کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، البتہ لبِ گور

تک' اس کے بعد تم کو چھوڑ دوں گا۔ یہ انسان کا فرزند ہے۔''

انسان کو ان تینوں میں سے کسے دوستی کے لیے منتخب کرنا چاہیے؟

جواب واضح ہے' ایسے علم کو جو عمل کا باعث ہو۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب انسان حالتِ احتضار میں ہوتا ہے اور عالمِ آخرت کی طرف سفر کے لیے تیار ہوتا ہے' تو مال' اولاد' اور اس کا عمل اس کے سامنے مجسم ہوتے ہیں۔ مرنے والا' اولاد سے کہتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی تمہارے لیے وقف کر دی' میں اس وقت مشکل میں ہوں' تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟ اس وقت اولاد کہتی ہے: ہم قبر تک تمہارے ساتھ آئیں گے۔ پھر وہ مال کی طرف رخ کرتا ہے اور کہتا ہے: میں نے تجھے جمع کرنے کے لیے بیابان اور وسیع و عریض صحراطے کیے۔ اس وقت میں مشکل میں ہوں' تو میرے لیے کیا کر سکتا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے: تم اپنا کفن مجھ سے لے سکتے ہو۔ اس منزل پر وہ اپنے عمل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کہتا ہے: تو میرے لیے بہت بھاری تھا۔ اس وقت عمل کہتا ہے: میں تمہاری قبر میں تمہارے ساتھ ہوں' حشر تک تمہارے ہمراہ ہوں اور جب تم بہشت یا جہنم کی طرف جا رہے ہو گے' تب بھی تمہارے ساتھ رہوں گا۔

جی ہاں! قرآنِ کریم نے عمل کے متعلق فرمایا ہے:

'' وَ قُلِ اعمَلُوا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُم وَ رَسُولُہُ وَ المُؤمِنُونَ.''

''اور پیغمبر ان سے کہہ دیجیے کہ تم لوگ عمل کرتے رہو کہ تمہارے عمل کو خدا' اس کا پیغمبر اور مومنین سب دیکھ رہے ہیں۔'' (سورۂ توبہ ۹۔ آیت ۱۰۵)

نیز دوسرے مقام پر فرمایا:

'' فَمَن یَعمَل مِثقَالَ ذَرَّۃٍ خَیراً یَرَہُ وَ مَن یَعمَل مِثقَالَ ذَرَّۃٍ شَراً یَرَہُ۔''

''جو ذرّہ برابر بھی نیکی کرے گا' اسے دیکھے گا اور جو ذرّہ برابر بھی برائی کرے

گا' اسے دیکھے گا۔'' (سورۂ زلزلہ ۹۹۔ آیت ۷، ۸)

عزیزو! آؤ خدا سے دوستی کریں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی پیروی کریں جو پروردگار کے دوست بنے اور اسی طرح پروردگارِ عالم نے بھی ان سے دوستی کی۔ ''وَاتَّخَذَهُ خَلِيلاً'' پروردگارِ عالم نے انہیں اپنے دوست کے طور پر چن لیا اور ہر ایک کو پہچنوایا۔ حضرت ابراہیمؑ صرف خدا کے لیے ہو گئے اور اس کے سامنے پوری طرح تسلیم ہو گئے۔ آیئے اپنے خدا کے ہم نشین ہوتے ہیں' اسی طرح جیسے ایک دوست دوسرے دوست کے یا ایک عاشق اپنے معشوق کے ہم نشین ہوتا ہے۔ اپنی روح کو اس کے سپرد کر کے حقیقی ایمان پیدا کریں' اس سے عشق کریں' نیک عمل انجام دیں اور تقویٰ کو اپنا شعار قرار دیں اور اس سے دنیا و آخرت کی بھلائی طلب کریں۔

" اَلیَومُ عَمَلٌ وَ لَاحِسَابَ وَ غَداً حِسَابٌ وَ لاَ عَمَلَ. "

''آج عمل کا دن ہے' حساب کا نہیں اور کل حساب کا دن ہو گا عمل کا نہیں۔''

و الحمد للّٰہ رب العالمین

و ما توفیقی الا با اللّٰہ

۱۲ر اگست ۲۰۰۱ء مطابق ۴ر ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ

دوستی سے متعلق سوال و جواب

خدا سے دوستی

سوال: سید فضل اللہ! آپ کا دوست کون ہے؟

جواب: خدا، میں خدا سے دوستی کو اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں اور لوگوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ خدا سے دوستی کریں، وہ دوستی جو انسان کو عقل، قلب، زندگی الغرض سب کچھ عطا کرتی ہے اور ان کی افزائش کا باعث ہے، وہ خدا کی دوستی ہے۔ کیونکہ وہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔

شیطان دشمن ہے

سوال: حضرتِ عالی آپ کا دشمن کون ہے؟

جواب: شیطان، اپنے تمام جلووں کے ساتھ۔ وہی شیطان جو بدی اور برائی کو انسان اور اس کی زندگی کے اندر شامل کرتا ہے۔

دوستی سے متعلق ایک اعتراض

سوال: مغربی مکتبِ فکر لوگوں کے ساتھ جس طرزِ عمل کی تلقین کرتا ہے اس میں دوستی کے بارے میں جو تعلیم دی گئی ہے اس میں ایک عیب دکھائی دیتا ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ

لوگ جس طرح چاہتے ہیں اسی طرح ان کے ساتھ پیش آیا جائے۔ اس کے متعلق حضرت عالی کی رائے کیا ہے؟ کیا یہ بات صحیح ہے کہ ہمارا رویہ لوگوں کی خواہش کے مطابق ہونا چاہیے۔ یا پھر اس کا معیار ہمارا مکتب و مسلک؟

جواب: ہمیں لوگوں کے ساتھ نیک اخلاق و رفتار کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ یعنی ہم دوسروں کے خیر خواہ ہوں' ان کے ساتھ نیکی و احسان کریں اور ان کے ساتھ مخلصانہ میل ملاپ رکھیں۔ اور یہ نظریہ کہ ''تم لوگوں کے ساتھ اس طرح پیش آؤ جیسے وہ چاہتے ہیں' ناچار وہ بھی تمہارے ساتھ ویسے ہی پیش آئیں گے جیسے تم چاہتے ہو'' بے معنی ہے۔

کیونکہ اس نظریے کی رو سے جو کوئی بھی جس مکتب و مسلک کا مالک ہے اور جو اس کا اجتماعی و سیاسی مشرب ہے ہمیں اس کے مذاق و مزاج کے مطابق پیش آنا چاہیے نہ کہ متعین حدود کے ساتھ۔ اگر اس بات کو مان لیا جائے تو انسان کی تربیت کسی معین معیار و اخلاق کے مطابق نہیں ہونی چاہیے' نیز کوئی بھی فرد کسی ایک ثابت معیار کے تحت لوگوں کے ساتھ پیش نہیں آ سکتا۔ بہر حال ہر شخص کا رویہ دوسروں کے ساتھ ان ضوابط اور حدود کے اندر ہونا چاہیے جن کا لوگ اخلاقی امور میں خیال رکھتے ہیں' غیر اخلاقی بنیادوں پر نہیں۔ یعنی طرز عمل کی بنیاد عدالت کو ہونا چاہیے۔ اور عدالت کہتی ہے کہ جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہارے روحی اور ظاہری حالات پیش نظر رکھتے ہوئے لوگ تمہارے ساتھ پیش آئیں' اسی طرح تمہیں بھی چاہیے کہ لوگوں کے بارے میں انہی باتوں کو پیش نظر رکھو اور ان کے ساتھ انہی شرائط کے ساتھ پیش آؤ۔

خوشروئی اور خندہ پیشانی

سوال: ہم مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کے وقت خوشروئی اور خندہ

پیشانی سے پیش آنا چاہیے' لیکن افسوس ہمارے درمیان حتیٰ عزیز اور گرامی قدر علما کے درمیان بھی یہ وصف کم نظر آتا ہے۔ایسی صورت میں کیا مومنین اور مسلمین کے اس حالت سے چھٹکارا پانے کا کوئی راستہ ہے؟

جواب: پروردگارِ عالم فرماتا ہے: لَقَد کَانَ لَکُم فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِمَن کَانَ یَرجُوا اللّٰہَ وَ الیَومَ الآخِر. (یقیناً رسولِ خدا تمہارے لیے بہترین اسوہ اور نمونہ ہیں' البتہ اس شخص کے لیے جو خدا اور روزِ قیامت سے امید رکھتا ہے۔سورۂ احزاب ۳۳۔آیت ۲۱)

یہی نمونۂ عمل ہستی، یعنی پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں: اَلقِ اَخَاکَ بِوَجہٍ مُنبَسِطٍ (اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرو) لیکن بعض افراد پیغمبرؐ کے اس حکم کے برخلاف خود کو اندوہ گین اور غمزدہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ تیوریوں پر بل دیئے' ناخوش اور بدمزاج نظر آتے ہیں' جب کہ انہوں نے فراموش کر دیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ ہمیشہ اور ہر حال میں مسکراتے رہتے تھے اور امام سجادؑ بھی اسی طرح تھے۔ایک عرب شاعر نے امام سجادؑ کی تعریف میں یہ شعر کہا ہے:

یَغضی حَیَاءً وَ یُغضی مِن مَھَابَتِہِ
فَلَایُکَلِّمُ النَّاسَ اِلَّا حِینَ یَبتَسِم

"حیا کی وجہ سے نگاہیں جھکائے رکھتے ہیں' اور لوگ بھی ان کی عظمت و شوکت کی وجہ سے ان کی طرف نگاہ اٹھانے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔اس کے باوجود جب گفتگو کے لیے لب کھولتے ہیں تو آپ کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ نظر آتی ہے۔"

لہٰذا مومن کی ایک علامت یہ ہے کہ خوشی اور وبشاشت اس کے چہرے سے عیاں ہو'

لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کے چہرے کی طرف دیکھیں، تو غم واندوہ کی ایک دنیا انسان کی طرف منتقل ہو جائے۔ لوگ اگر خوشی وسرور کی حالت میں بھی ہوں، تب بھی وہ غمزدہ نظر آتے ہیں۔

ایک دوسرے سے روٹھے ہوئے دوستوں کو نصیحت

سوال: دو دوست جو مختلف مراجعین کی تقلید کرتے ہیں، اس مسئلے میں اختلاف کی وجہ سے آپس میں روٹھ گئے ہیں، جبکہ اس سے پہلے وہ جگری دوست تھے۔ جیسے کہ آپ واقف ہیں تقلید کی وجہ سے سماج کے اندر کدورت، اختلاف اور لفظی جنگ کثرت سے نظر آتی ہے۔ حضرتِ عالی سے درخواست ہے اس کے متعلق کوئی نصیحت فرمایئے؟

جواب: یہ بہت ہی کھلا ہوا غلط طرزِ عمل ہے جو ایسے لوگوں کی نادانی اور دین کے پابند نہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ دونوں دوست مومن ہیں اور دونوں کے درمیان ایمانی اخوت قائم ہے، ان دونوں دوستوں کو حق حاصل ہے کہ جس مرجع پر انہیں اعتماد واطمینان ہو اسکی تقلید کریں، بالکل اسی طرح جیسے وہ ڈاکٹر کا انتخاب کرتے ہیں۔ ایک، ایک ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اور دوسرا، دوسرے ڈاکٹر کے پاس، اس موقع پر ان کے درمیان کیوں اختلاف رونما نہیں ہوتا؟

تقلید اس شخص کی کی جاتی ہے جس نے فقہ میں اجتہاد کیا ہو اور اس پر عبور رکھتا ہو۔ اب اگر دو مراجع تقلید کسی مسئلے میں اختلافِ نظر رکھتے ہوں، تو اس اختلاف کی وجہ سے ان میں سے کوئی بھی دین سے خارج نہیں ہوتا۔

بالفرض اگر یہ دونوں دوست ایک دوسرے کے مرجع کے متعلق منفی خیالات رکھتے ہوں، تب بھی پروردگارِ عالم روزِ قیامت ان دونوں میں سے کسی سے بھی دوسرے کے مرجع

کی تقلید کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں باز پرس نہیں کرے گا۔

میں ان دونوں دوستوں سے عرض کرتا ہوں کہ آپ دونوں کا ایک دوسرے سے اس امر میں روٹھنا خطا' گناہ اور دیندار نہ ہونے کی دلیل ہے۔ آپ متعصب ہیں متدین نہیں۔

اسی طرح (نہ صرف یہ دونوں دوست) بلکہ وہ تمام افراد جو صرف مختلف مراجعین کے مقلد ہونے کی بنا پر اختلاف کرتے ہیں' اور دل میں کینہ رکھتے ہیں' وہ تشیع اور اسلام کے مخلص نہیں' بلکہ اپنی خواہشات کے بندے ہیں اور خود کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پابند دین اور متعصب انسان کے درمیان فرق ہے' اور احادیث میں آیا ہے کہ متعصب کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

سیاسی اختلاف

سوال: اکثر اوقات سیاست کی وجہ سے مومنین کے درمیان اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں کس طرح دوستی اور سیاسی رجحان کے درمیان توازن و اعتدال پیدا کریں؟

جواب: پروردگار عالم فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (مومنین آپس میں بالکل بھائی ہیں۔ سورۂ حجرات ۴۹۔ آیت ۱۰) یہاں تک کہ اگر سیاسی رجحانات میں بھی ان کے درمیان اختلاف پایا جائے' تب بھی ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی اجتماعی نظریات یا سیاسی رجحان کی بنا پر اپنے کسی مومن بھائی سے جھگڑا کرے' تو ایسا شخص دائرۂ ایمان سے خارج ہے' کیونکہ اس طرح وہ گویا یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ پروردگارِ عالم نے وہ فرمایا ہے' جبکہ میں یہ کہتا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: اِذَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ اَنْتَ عَدُوِّی کَفَرَ اَحَدُهُمَا. (جو بھی مومن دوسرے مومن سے کہے تو میرا دشمن ہے' تو ان میں

سے کوئی ایک کافر ہو جاتا ہے) عرب شاعر ''شوقی'' کہتا ہے:

اِختِلافَ الرَّأیِ لَایُفسِدُ لِلوُدِّ قَضِیَّۃً

''اختلافِ نظر اور اختلافِ رائے کو دوستی کے لیے مشکل نہیں بننا چاہیے۔''

البتہ یہ چیز جزی اور فروعی مسائل کے بارے میں ہے' بنیادی اور اصولی مسائل کے بارے میں نہیں۔

میرا ایک دوست عریاں فلمیں دیکھتا ہے

سوال: میرا ایک دوست طویل مدت سے جنسی فلمیں دیکھتا ہے اور میں عمر میں اس سے چھوٹا ہوں اور اس سے کہہ نہیں سکتا' لہٰذا پریشان ہوں۔ میرا فریضہ کیا ہے؟ برائے مہربانی میری راہنمائی فرمائیے۔

جواب: کسی طرح اسے اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کیجیے اور اگر ضروری سمجھتے ہوں تو کسی بڑے سے کہیے، مگر اس وقت جب کہ آپ کو علم ہو کہ وہ اس کو نصیحت کر سکتا ہے اور اس عمل سے روک سکتا ہے۔

دوستی کا رنگ

سوال: میں اپنی تربیت اس طرح کرنا چاہتا ہوں کہ دوسروں سے اتنی ہی محبت کروں' جتنا وہ اسلام سے مخلص اور اسکے عاشق ہیں۔ دوسروں کے ساتھ میری محبت پر جذبات و احساسات اور قرابت داری حاوی نہ ہو۔ اس بابت حضرتِ عالی کا نظریہ کیا ہے؟

جواب: مومن اور باہدف انسان کی محبت و نفرت' دوستی و دشمنی خدا اور رضائے خدا کے لیے ہے۔ ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ پروردگارِ عالم ہم سے چاہتا ہے کہ ہم ماں' باپ' بھائی' بہن' گھر والوں بلکہ تمام مسلمانوں سے محبت کریں۔ البتہ یہ محبت خدا سے عشق' اس پر ایمان

اور مقصد و ہدف کی اساس پر ہونی چاہیے۔

اپنی حیثیت کا دفاع

سوال: اگر لوگ کسی انسان کی جانب باطل اور غلط باتیں منسوب کریں اور وہ انسان خود کو ان سے بری ظاہر کرنا چاہے' لیکن حقیقت کے بیان کی صورت میں بعض مومنین کی توہین ہوتی ہو' تو کیا اس صورت میں حقیقت کہنا اور اپنے آپ کو بری ظاہر کرنا واجب ہے؟

جواب: جب بھی کسی کی طرف ناحق نسبت دی جائے' تو اس پر لازم ہے کہ اپنا دفاع کرے اور اس تہمت کو دور کرے۔ یہ ایک فطری اور انسانی حق ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر شخص کا دینی حق ہے کہ اپنی عزت و آبرو کا دفاع کرے اور مومنین کی حرمت کی حفاظت میں ہوشیاری سے کام لے۔ انہیں بے آبرو کرنے کے لیے ان کے منفی نکات کا تذکرہ نہ کرے' بلکہ ان کی خیر خواہی اور مثبت تنقید میں کوشاں رہے۔

گمراہ دوست

سوال: میرا ایک دوست گمراہ ہو گیا ہے اور گمراہی کے راستے پر گامزن ہے۔ مجھے نہیں معلوم اس کے ساتھ کیسے پیش آؤں' جبکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھے چاہتا ہے اور میرے لیے خاص احترام کا قائل ہے۔ (برائے مہربانی رہنمائی فرمائیے)

جواب: وہ آپ کا جو احترام کرتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کیجیے' نیز اس کی گمراہی کی جڑ تلاش کیجیے اور بالکل اسی طرح اس کا علاج کیجیے جیسے ڈاکٹر مریض کا علاج کرتا ہے۔ اور اگر خود نہیں کر سکتے تو اس سلسلے میں دوسروں سے مدد لینے کی کوشش کیجیے۔

ایسے افراد کی ہم نشینی جو دل کو مردہ کر دیتے ہیں

سوال: کتاب اصولِ کافی کی جلد۲ ص۶۰۶ پر آیا ہے کہ: ثَلاثَةٌ مُجَالَسَتُهُم تُمِيتُ القَلبَ اَلجُلُوسُ مَعَ الأنذَالِ وَالحَدِيثُ مَعَ النِّسَاءِ وَالجُلُوسُ مَعَ الأغنِيَاءِ (تین گروہوں کے ساتھ نشست و برخاست قلب کو مردہ کر دیتی ہے۔ پست فطرت، گندے اور اوباش افراد سے میل جول، عورتوں سے گفتگو اور دولت مندوں کی ہم نشینی) تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اوباشوں اور دولت مندوں سے میل ملاپ اور عورتوں سے گفتگو سراسر برائی اور دل کے مردہ ہونے کا باعث ہیں؟

جواب: یہ اس بنا پر ہے کہ اکثر اوقات ان تینوں گروہوں کے ساتھ نشست و برخاست میں ایسی گفتگو ہوتی ہے جو (ہوس) غرائز اور شہوات میں تحریک کا باعث ہے۔ اس کی مزید وضاحت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

دولت مندوں کے ساتھ نشست و برخاست میں عام طور پر مال و دولت کے موضوع پر گفتگو رہتی ہے۔ اس طرح یہ ہم نشینی انسان میں دنیا کی رغبت پیدا کرتی ہے اور انسان دوسروں کے پاس جن چیزوں کو دیکھتا ہے، ان کی ضرورت محسوس کرنے لگتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ وہ بھی ان کی برابری کرے۔ جبکہ بعض اوقات اس آرزو کا پورا ہونا ممکن نہیں ہوتا یا ممکن ہے وہ قضا و قدرِ الٰہی اور اسکی طرف سے رزق و روزی کی تقسیم کا منکر ہو جائے۔

عورتوں سے گفتگو ممکن ہے اس وجہ سے قبیح اور مذموم ہو کہ جنسی تحریک کا باعث ہوتی ہے۔ گندے اور اوباش افراد کی ہم نشینی میں ان کے کرتوتوں کا ذکر ہوتا ہے۔ لہٰذا ان تینوں گروہوں کے ساتھ نشست و برخاست اور ان کی بزم میں شرکت دل کو مردہ کر دیتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کو ایسے افراد کے ساتھ نشست و برخاست رکھنی چاہیے جو اس

کے قلب وفکر اور روح کو پروردگارِ عالم سے جوڑیں اور اسے زندگی میں اس کی ذمے داریوں سے آگاہ کریں۔

مزید یہ کہ وہ نشستیں جو دل کو مردہ اور روح کو آلودہ کر دیتی ہیں' ان کے مقابل ایسی نشستیں بھی ہیں جو دل کو زندہ' بندگی کی جانب راغب اور مثبت جد و جہد اور کوشش کے جذبے کو بیدار کرتی ہیں' یہ وہ نشستیں ہیں جن میں خدا کا ذکر ہوتا ہے۔

ایک دوست کی درخواست

سوال: میرا ایک دوست جو امریکا میں رہتا ہے' اس نے مجھ سے حرام گانوں کے کیسٹ بھیجنے کی درخواست کی ہے۔ وہ میرا ایک عزیز دوست ہے۔ کیا میں اس کی درخواست پوری کر دوں؟

جواب: اتفاقاً کیونکہ وہ آپ کا عزیز دوست ہے' اس لیے آپ اس کے لیے ایسے کیسٹ نہ بھیجیے۔ انسان کو چاہیے کہ جو اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کرے اور جس چیز کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا اسے اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔

لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ پروردگارِ عالم آپ سے راضی ہو اور آپ پر غضبناک و ناراض نہ ہو' تو اپنے دوست کے لیے بھی وہی پسند کیجیے جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ اس کے لیے خدا کا عذاب پسند نہ کیجیے۔

مزید یہ کہ ایسا دوست' عزیز دوست نہیں ہے کیونکہ مخلص اور عزیز دوست وہ ہے جو آپ کو حرام عمل اور خدا کے غضب میں گرفتار نہ کرے۔

دوست کی ایذا

سوال: کیا انسان کو حق حاصل ہے کہ اپنے دوست کے ساتھ گفتگو میں ایسے کلمات

استعمال کرے جو اس کی رنجیدگی کا سبب ہوں اور اس کے دل میں کینہ پیدا کر دیں۔ مثلاً مزاح کے درمیان طنز کرنا؟

جواب: اگر یہ عمل دوست کے لیے اذیت کا باعث ہو تو جائز نہیں ہے کیونکہ مومن کو ایذا پہنچانا جائز نہیں۔

ہنسی مذاق والے دوست

سوال: ایک ایسا جوان ہے جو اپنی جوانی کے رات و دن ایسے دوستوں کے ساتھ گزارتا ہے جو سوائے ہنسی مذاق کے کچھ اور نہیں کرتے۔ اس نے اپنے وقت کے لیے کوئی پروگرام تیار نہیں کیا ہے ایک لحظہ بھی غور و فکر نہیں کرتا۔ حضرتِ عالی کی نظر میں ایسے جوان کا انجام کیا ہے؟

جواب: ایسا فرد زندگی کے حقیقی مفہوم اور انسانیت کے معنی جانے بغیر اپنی زندگی گزار دیتا ہے۔ اسے چاہیے کہ زندگی کو سنجیدگی سے لے سرسری نگاہ سے نہ دیکھے اور اپنی عمر ذمے داری کے ساتھ بسر کرے لاابالی پن میں نہ گزارے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

" لاتَزُولُ قَدَمُ عَبدٍ يَومَ القِيَامَةِ حَتّٰى يُسئَلُ عَن اَربَعٍ عَن عُمرِهِ فِيمَا اَفنَاهُ؟ وَ شَبابِهِ فِيمَا اَبلاهُ؟ وَ عَن مَالِهِ مِن اَينَ كَسَبَهُ وَ فِيمَ اَنفَقَهُ؟ وَ عَن حُبِّنَا اَهلَ البَيتِ۔"

"قیامت کے دن کسی بھی بندے کو اس وقت تک قدم آگے نہیں بڑھانے دیں گے جب تک اس سے چار چیزوں کے متعلق سوال نہ کر لیں:

۱۔ اپنی عمر کو کہاں صرف کیا؟

۲۔اپنی جوانی کو کیسے بسر کیا؟

۳۔دولت کہاں سے حاصل کی اور اسے کہاں خرچ کیا؟

۴۔اور اہلِ بیت کی محبت' کہ اس نے اہلِ بیتؑ سے کتنی محبت کی؟''

لہٰذا انسان سے اس کی زندگی کے ہر ہر لمحے کے متعلق سوال ہوگا کہ کیا اس نے اسے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف کیا یا شر اور برائی کے کاموں میں۔ ہماری عمر ہمارا حقیقی سرمایہ ہے جس کے متعلق پروردگارِ عالم چاہتا ہے کہ ہم اسے اس کے ساتھ تجارت میں استعمال کریں۔ پس اگر کوئی اپنا یہ سرمایہ گنوا کر خالی ہاتھ پروردگارِ عالم کی بارگاہ میں جائے' بلکہ ممکن ہے اپنے گناہوں کے سنگین بوجھ کے ساتھ رب العزت سے ملاقات کرے' تو وہ ایک زیانکار انسان ہے' جس نے اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کیا ہے۔

بدنام افراد سے دوستی

سوال: میں بعض بدنام افراد سے ان کی اصلاح کی غرض سے دوستی کرتا ہوں لیکن اپنے اس عمل کی وجہ سے مجھے لوگوں کی طرف سے مشکلات کا سامنا ہے۔ اس کے متعلق حضرتِ عالی کیا فرماتے ہیں؟

جواب: اگر بالفرض اس طرح کے افراد کی اصلاح ممکن ہے اور ان کی ہدایت واقعاً اہم ہے' تو ان سے دوستی میں کوئی مضائقہ اور عیب نہیں ہے۔ کیونکہ جلد ہی ان تعلقات کے مثبت اثرات ظاہر ہوں گے اور لوگ مسئلے کی حقیقت سمجھ جائیں گے۔ اور اگر مسئلہ حقیقتاً معمولی ہو اور انسان پر ایسے لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست اور ان کی ہدایت کا فریضہ عائد نہ ہوتا ہو' تو انسان پر لازم ہے کہ اس عمل کو چھوڑ دے' بالخصوص اس وقت جبکہ یہ عمل اس کی رسوائی تک پہنچ جائے۔

جنسِ مخالف سے دوستی

سوال: کیا میں اپنی ہم کلاس لڑکی سے دوستی کر سکتا ہوں اور دوست لڑکوں کی طرح جیسے وہ تفریح کے لیے جاتے ہیں' آپس میں گفتگو کرتے ہیں' ہم بھی ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کر سکتے اور سیر کے لیے جا سکتے ہیں اور سوائے ان امور کے جن کو شرع نے حرام کیا ہے حسبِ خواہش سب کچھ انجام دے سکتے ہیں؟

جواب: عورتوں اور مردوں کے درمیان میل جول حرام نہیں ہے۔ لیکن عورت اور مرد ایک دوسرے کے متعلق جو احساس رکھتے ہیں' اس کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کی ضمانت نہیں کہ اس قسم کی دوستی حدودِ شرع تک محدود رہے گی۔ بلکہ اس قسم کے تعلقات کے کبھی کبھی منفی' برے اور خلافِ شرع نتائج نکلتے ہیں' بالخصوص اگر یہ دوستی انتہائی قربت اور بے تکلفی تک جا پہنچے۔

یہ وہی چیز ہے جسے ہم اس مشہور حدیث سے اخذ کرتے ہیں' جس میں عورت اور مرد کو تنہائی میں ملنے سے منع کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس ملاقات میں شیطان ان کا تیسرا ساتھی ہوتا ہے۔

لہٰذا مرد و زن کا تنہائی میں ملنا جلنا قابلِ اعتراض نہیں مگر صرف اس لیے (اس سے روکا گیا) ہے کہ یہ ارتکابِ حرام کے داخلی اور خارجی حالات فراہم کر دیتا ہے۔ قدرتی بات ہے کہ میل ملاقات کے ساتھ پروان چڑھنے والی گہری اور بے تکلفانہ دوستی بعض اوقات انہی نتائج کو سامنے لاتی ہے جو تنہائی کے اس میل جول سے نکلتے ہیں جس کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

لیکن اگر مرد و زن دونوں مطمئن ہوں اور یقین رکھتے ہوں کہ حرام میں مبتلا نہیں

ہوں گے یا ان میں تحریک پیدا نہ ہوگی اور ان کے درمیان رابطہ بھی شرعی ضوابط کے تحت ہو تو اس صورت میں میل ملاپ میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ ارتکابِ حرام کا باعث نہ ہوگا۔

مزید یہ کہ صاف ستھرے تعلقات کے قیام اور ایسے تعلقات کے جاری رکھنے کے لیے شرعی راستے موجود ہیں حتیٰ (شدید محبت و چاہت کی صورت میں بھی) تاکہ بالفرض اگر کوئی مسئلہ پیش آئے تو شرعی ضوابط کے مطابق ہو مثلاً عقد وغیرہ (البتہ جس جگہ عقد پڑھنا جائز ہو) اس صورت میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

تارک الصلوٰۃ کے ساتھ شراکت

سوال: کیا تارک الصلوٰۃ کے ساتھ شراکت جائز ہے؟

جواب: ہاں (بنیادی طور پر تو) جائز ہے۔ مگر یہ کہ اس کے ساتھ مشارکت نہی عن المنکر کی حدود کی مخالف ہو۔ بالفاظِ دیگر اگر نہی عن المنکر کی شرائط موجود نہ ہوں۔ مثلاً اگر شریک ایسا فرد ہے کہ اس پر نہی عن المنکر کا کچھ اثر نہیں ہوتا یا نہی کرنے کی صورت میں بڑا نقصان اٹھانا پڑے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے ساتھ شراکت یا اس کے ساتھ معاملہ یا اس کے پاس ملازمت کرنے وغیرہ میں کوئی مصلحت ہو تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مومنین سے محبت کا کم ہو جانا

سوال: میں ایک پابندِ دین مومن جوان ہوں لیکن جب میرے اور مومن بھائیوں کے درمیان کوئی اختلاف پیش آتا ہے تو ان کی محبت میرے دل میں کم ہو جاتی ہے اور ان سے تعلقات صرف سلام دعا کی حد تک باقی رہ جاتے ہیں۔ میرے لیے ان سے دوبارہ نزدیک ہونا اور تپاک سے پیش آنا بہت مشکل ہے۔ بالخصوص اس وقت جب مدِ مقابل خطا کا مرتکب ہوا ہو اور اس نے میرے حق میں برائی کی ہو۔ آپ سے استدعا ہے کہ میری

راہنمائی فرمائیے۔

جواب: عزیزم! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح دوسرے آپ کی نسبت خطا کے مرتکب ہوتے ہیں اسی طرح آپ بھی دوسروں کی نسبت خطا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لہٰذا دوسروں کے ساتھ اس طرح پیش آیئے جس طرح یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے آپ کے ساتھ پیش آئیں۔ کیا آپ پسند کریں گے کہ جب آپ خطا کے مرتکب ہوں، تو وہ بھی آپ کے ساتھ وہی رَویہ اختیار کریں جو آپ ان کے ساتھ اختیار کرتے ہیں؟ واضح ہے کہ نہیں، بلکہ آپ چاہیں گے کہ وہ معاف کر دیں اور آپ کی خطا کو درگزر کریں۔ لہٰذا جب دوسرے آپ کی نسبت غلطی کے مرتکب ہوں، تو آپ بھی اسی طرح عفو و درگزر سے کام لیجیے۔

دوسروں کی غلطی برداشت نہیں کر پاتا

سوال: میں ایک جوان ہوں اور یورپ میں رہتا ہوں، میری مشکل یہ ہے کہ جب دوسرے ایک سے زیادہ مرتبہ میری نسبت خطا کا ارتکاب کرتے ہیں، تو میں انہیں برداشت نہیں کر پاتا اور ان سے قطع تعلق کر لیتا ہوں۔ خود اس وقت میں نے اپنی بڑی بہن اور بڑے بھائی سے قطع تعلق کیا ہوا ہے۔ میرے لیے آپ کیا راہنمائی فرماتے ہیں؟

جواب: اگر قانون یہ ہو کہ کسی نے غلطی کی تو دوسرا اسے برداشت نہ کرے اور اس سے قطع تعلق کر لے اور اس کے ساتھ کوئی بھلائی نہ کرے، تو پھر پروردگارِ عالم کے سامنے ہم خطاکاروں کا کیا حال ہوگا؟ کیا ہم پسند کریں گے کہ پروردگارِ عالم ہم سے رابطہ منقطع کر لے اور ہم کو اپنی رحمت سے محروم کر دے؟

مزید یہ کہ جب دوسرے آپ کے ساتھ غلطی کرتے ہیں، تو آپ ان سے رابطہ منقطع کر لیتے ہیں، لہٰذا کیا آپ بھی پسند کریں گے کہ جب آپ دوسروں کے ساتھ غلطی کریں، تو

وہ آپ سے رابطہ ختم کرلیں؟

"عَامِلِ النَّاسَ بِمَا تُحِبُّ اَن یُّعَامِلُوکَ بِهِ."

"لوگوں کے ساتھ ایسے پیش آؤ جیسے تم پسند کرتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ پیش آئیں۔"

بلوغ سے پہلے گناہ

سوال: میرا ایک دوست ہے' اس کی عمر ۱۳ سال سے زیادہ نہیں' لیکن ایسے کاموں کا مرتکب ہوتا ہے جن کی پروردگارِ عالم نے اجازت نہیں دی ہے۔ میں ہمیشہ اسے نصیحت کرتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ پروردگارِ عالم نابالغ شخص کے اعمال کا محاسبہ نہیں کرتا' میں نے جب یہ بات اسے بتائی تو اس نے گناہوں میں اور اضافہ کر دیا" اور میری نصیحتوں پر" مجھ سے کہتا ہے ہاں' زندگی کا ایک دور ہے' جس کا مجھے خدا کی بارگاہ میں حساب دینا ہوگا' لیکن ابھی میرا وہ دورِ حیات شروع نہیں ہوا ہے' ابھی میں تمہاری باتیں بالکل نہیں سنوں گا' کیونکہ پروردگارِ عالم میری زندگی کے اس حصے کا مجھ سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ اس کے متعلق حضرتِ عالی کا نظریہ کیا ہے؟

جواب: اگر یہ شخص نابالغ ہے۔ یعنی اسے احتلام نہیں ہوا اور مخصوص مقامات پر بال نمودار نہیں ہوئے' تو حدیث ہے کہ: رُفِعَ الْقَلَمُ عَنِ الصَّبِی حَتّٰی یَحتَلِم. (بچہ اس وقت تک مرفوع القلم (بری الذمہ) ہے جب تک اسے احتلام نہ ہونے لگے) البتہ اسے اس طرح کی باتیں نہیں بتانی چاہئیں' اس لیے کہ وہ بلوغ سے پہلے جو کچھ انجام دے گا اس کے عذاب کے بارے میں تو اسے کوئی مشکل نہیں ہوگی اور وہ اس سے محفوظ رہے گا لیکن جن حرام کاموں کو انجام دے گا ان کی تاثیر اس کی شخصیت اور روح پر رہ جائے گی اور بلوغ کے

بعد تک باقی رہے گی۔ بلکہ ممکن ہے اس کی جڑیں مضبوط ہو جائیں اور اس کی عادت بن جائیں۔ دوسری طرف یہ کہ بہت سے گناہ انسان کی روح و جسم اور اس کی شخصیت کے لیے مضر ہیں اور انسان کی شخصیت اور روح پر اپنے وضعی اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔

قیافہ شناسی

سوال: میں لوگوں کے چہرے دیکھ کر ان کے اچھے یا برے ہونے کا تعین کر لیتا ہوں۔ برے لوگوں کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی میرا دل ان کی طرف سے بجھ جاتا ہے اور ان کے بارے میں برا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے متعلق حضرتِ عالی کیا نصیحت فرماتے ہیں؟

جواب: پروردگارِ عالم کا یہ کلام پڑھیے جس میں وہ فرماتا ہے:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعضَ الظَّنِّ إِثْمٌ."

"اے ایمان لانے والو اکثر گمانوں سے پرہیز کرو' اس لیے کہ بعض گمان گناہ ہیں۔" (سورۂ حجرات ۴۹۔ آیت ۱۲)

آپ کو چاہیے کہ خود اپنے آپ سے سوال کریں کہ آپ کے پاس برے افراد کے تعین کا معیار کیا ہے؟ آپ اپنے آپ سے سوال کیجیے کہ وہ عمل جس کی وجہ سے آپ کے دل میں اس کی طرف سے بدگمانی پیدا ہوئی ہے' کیا آپ نے اسے اس کا مرتکب ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟ کیا آپ پیش نظر شخص کو پوری طرح اور واقعاً پہچانتے ہیں؟

صرف کسی کا چہرہ دیکھ کر اسکے بارے میں دل کے اندر برا احساس اور نفرت پیدا ہو جانا' اس کے اچھے یا برے ہونے کے لیے دلیل نہیں بن سکتی۔

اس سے پرہیز جس کے متعلق دل میں نفرت ہو

سوال: حدیث میں آیا ہے کہ: اِتَّقُوا مَن تُبغِضُهُ قُلُوبُكُمْ (جس کی نسبت

تمہارے دل میں نفرت کا احساس ہو اس سے احتیاط کرو) کیا یہ حدیث ان احادیث کے ساتھ ٹکراؤ نہیں رکھتی جن میں مومن کی نسبت محبت و دوستی کی ترغیب دی گئی ہے؟

جواب: مجھے نہیں معلوم کہ اس طرح کی احادیث کس حد تک صحیح ہیں۔ جب انسان کسی مومن کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہے تو اس کے ظاہر کو معیار بنانا چاہیے (اس کے اعمال کو دیکھے اور فیصلہ کرے نہ کہ اس کے باطن کو کیونکہ اس کی نیت اور اس کے باطن سے سوائے خدا کے کوئی دوسرا آگاہ نہیں ہے) لیکن اگر اس حدیث کی سند صحیح ہو تو اس کے معنی یہ نہیں ہوں گے کہ جس سے بھی آپ کا دل متنفر ہو اس سے دوری اختیار کرلیں اور اسے رد کریں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے ہوشیار رہیں اور پرہیز کریں یا احتیاط کریں۔ یعنی جب اس سے روبرو ہوں اور آپ کا دل اسے قبول نہ کرے تو اس کو مومن کی ہوشیاری سمجھیں۔

پس ''اس سے احتیاط کرو'' کے معنی یہ ہیں کہ اس کے بارے میں اچھی طرح تحقیق کرو اور اسے پہچانو اور اس کے لیے تمہارے اندر جو منفی موقف پیدا ہوا ہے اسکے بارے میں تحقیق کرو کہ یہ بدگمانی تمہاری نفسانی کیفیت ہے یا وہ شخص واقعاً غلط کردار کا مالک ہے جو اس کے ظاہر کے ساتھ نہیں ملتا، یا معاملہ کچھ اور ہے؟

پس احتیاط کرنے اور اسے خود سے دور کرنے کے درمیان فرق ہے۔ مثلاً یہ قول: اِتَّقِ شَرَّ مَن اَحسَنتَ اِلَیہِ (جس کے ساتھ بھلائی کرو اس کے شر سے بچو) ممکن ہے بعض لوگ اس جملے کے معنی یہ کریں کہ انسان کو کسی کے ساتھ نیکی نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ جس کے ساتھ بھی نیکی کریں گے اس کے شر میں مبتلا ہو جائیں گے۔ جبکہ اس قول کے معنی یہ ہیں کہ اپنے آپ کو بطورِ کامل کسی کے سپرد اس بنا پر نہیں کر دینا چاہیے کہ اس کے ساتھ آپ نے نیکی کی ہے اور یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ میں نے فلاں کے ساتھ نیکی کی ہے لہٰذا یقین نہیں کر سکتا کہ وہ میرے ساتھ برائی کرے گا۔ کیونکہ ممکن ہے بعض لوگ احسان اور نیکی کے عوض

(شکریہ ادا کرنے کی بجائے) دل میں کینہ رکھیں اور اپنے کینے کی تسکین اور آسودگی کی خاطر نیکی کا جواب برائی سے دیں۔

"وَطَالِماً اِستَعبَدَ الأحسَانُ اِنسَاناً."

"کیونکہ احسان اور نیکی انسانوں کو بندگی اور طاعت کے لیے آمادہ کر دیتی ہے۔"

فَاتَّقِ شَرَّهُ، (اس کے شر سے محتاط رہو) کے معنی یہ ہیں کہ یہ بات بھی آپ کے پیش نظر رہے کہ ممکن ہے جس کے ساتھ آپ نے نیکی کی ہے وہ آپ کے ساتھ برائی کرے۔ لہٰذا اس کے ساتھ احتیاط کے ساتھ پیش آئیں اور خود کو پوری طرح اس کے سپرد نہ کر دیں۔

دوستوں کے درمیان اعتماد کا بحران

سوال: میں ایک جوان ہوں اور اپنے دوستوں کے درمیان اعتماد کے بحران سے دوچار ہوں۔ اپنے تجربے کی بنیاد پر میرے سامنے واضح ہے کہ میرے بعض دوست برائیوں میں مبتلا ہیں اور بعض عمل میں میرے ساتھ اتفاق نہیں رکھتے۔ لہٰذا ایسے دوستوں کے مقابل میرا فریضہ کیا ہے؟

جواب: سابقہ برے تجربات کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ابھی تک جن تجربات کا آپ نے سامنا نہیں کیا ہے، ان کے نتائج کو پچھلے تجربات کے مماثل قرار دیں۔ کیونکہ ممکن ہے آپ کا اب تک جن دوستوں سے سابقہ رہا ہے ان میں وہ خصوصیات نہیں پائی جاتی ہوں جو ان میں وفاداری اور جوانمردی پیدا کریں، لیکن شاید ان میں سے بہت سے دوست اچھے ہوں جن سے آپ آشنا نہ ہوں۔ آپ یکے بعد دیگرے تجربات جاری رکھیں لیکن گزشتہ تجربے سے سبق حاصل کرتے ہوئے، اور اس سبق سے نئے تجربے میں استفادہ کرتے

ہوئے۔ یہ تو تھا ایک نکتہ۔

اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ ممکن ہے مشکل خود آپ کی طرف سے ہو' آپ کے دوستوں کی طرف سے نہ ہو' آپ خود کو کیوں معصوم اور بے گناہ خیال کرتے ہیں اور دوستوں کو خطا کار؟ ممکن ہے آپ کے دوست بھی آپ کے متعلق وہی بات کہیں جو آپ ان کے متعلق کہہ رہے ہیں اور ممکن ہے وہ کہیں کہ فلاں نے ہمارے ساتھ وفا نہیں کی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو ان کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہو' یا ممکن ہے آپ ان سے ایسی چیزوں کی توقع رکھتے ہوں جن کی خود اپنے آپ سے توقع نہیں رکھتے۔

لہٰذا آپ کو اپنے ان تجربات کی بنیاد پر دوسروں کے متعلق فیصلہ نہیں کرنا چاہیے' بلکہ انہیں سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

رہا یہ سوال کہ وہ کیوں آپ سے موافقت نہیں رکھتے' تو شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ نے ان کے سامنے جو کچھ پیش کیا ہو وہ اس میں آپ کے ہم فکر اور ہم خیال نہ ہوں۔

دوست کے ساتھ متفق ہونا

سوال: کیا ضروری ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست کے ساتھ تمام معاملات میں اتفاق کرے؟

جواب: یہ کس نے کہا؟ کیا ہمارے کچھ دوست ایسے نہیں ہیں جنہیں ہم پسند کرتے ہیں اور وہ بھی ہمیں پسند کرتے ہیں' لیکن بعض حالات میں وہ ہم سے اختلاف رکھتے ہیں۔ بقول شاعر

اِختِلافُ الرَّأیِ لَایُفسِدُ لِلْوُدِّ قَضِیَّۃً

''اختلافِ رائے کو دوستی کے اندر مخل نہیں ہونا چاہیے۔''

دوست کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں

سوال: اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ لَاخَیرَ لَکَ فِی صِحبَۃِ مَن لَایَرَی لَکَ مِثلَ الَّذِی یَرَی لِنَفسِہِ. (ایسے شخص کی ہم نشینی سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا جو جس چیز کو اپنے لیے پسند کرتا ہے اسے دوسروں کے لیے پسند نہیں کرتا۔ بحارالانوار۔ ج ۳۲۔ ص ۱۹۸)

جواب: درحقیقت دوستی کو اسی اصول پر استوار ہونا چاہیے کہ جس چیز کو اپنے لیے پسند کرتے ہیں وہی اپنے دوست کے لیے بھی پسند کریں: عَامِلِ النَّاسَ بِمَا تُحِبُّ اَن یُعَامِلُوکَ بِہ. (لوگوں کے ساتھ ویسے ہی پیش آیئے جیسے آپ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ پیش آئیں) اگر آپ کا دوست خود اپنے لیے کوئی چیز پسند کرے اور آپ کے لیے پسند نہ کرے یا آپ کے مقابل خود کو حقدار سمجھے لیکن اپنے اوپر آپ کا کوئی حق عائد نہ سمجھے تو یہ دوستی یک طرفہ دوستی ہے۔ جب کہ دوستی کو دو طرفہ ہونا چاہیے۔ یعنی اگر آپ اس کے لیے نیکی اور بھلائی چاہتے ہیں تو اسے بھی اسی طرح آپ کا خیر خواہ ہونا چاہیے۔

اگر آپ اس کے لیے خیر خواہ ہوں اور وہ آپ کے حق میں بھلائی نہ چاہے تو یہ دوستی نہیں بلکہ استحصال ہے ہاں اگر آپ فداکاری اور ایثار کرنا چاہتے ہیں تو اس کا تعلق خود آپ سے ہے لیکن اس کو دوستی نہیں کہا جاتا۔

بے نمازی کو سلام

سوال: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے: لَاتُسَلِّمُوا عَلَی تَارِکِ الصَّلٰوۃِ. (بے نمازی کو سلام نہ کرو) اس حدیث پر عمل کیسے ممکن ہے؟ یا پھر اس پر عمل کے لیے کچھ خاص شرائط ضروری ہیں کہ اگر یہ شرائط فراہم ہوں تو اس حدیث پر عمل کر سکتے ہیں؟

جواب: اس حدیث سے مراد بے نمازی سے اس کے اس گناہ کی وجہ سے دوری اور قطع تعلق کا اعلان ہے۔ کیونکہ سلام کرنا صلح ومحبت کی علامت ہے اور جس کو سلام کر رہے ہیں اس کے حق میں دعا ہے۔ نہی عن المنکر کے عنوان سے ہم پر لازم ہے کہ مسلمان بے نمازی کے اس عمل کو برا سمجھیں اور اس سے رابطہ منقطع کر لیں، لیکن اگر بعض دوسری مصلحتیں ہوں یا اسے سلام کرنا اس کے ہماری طرف کھنچ آنے کا باعث ہوگا، جس سے ہم محبت اور اس کا دل تسخیر کرنے کے لیے استفادہ کر سکیں گے اور اسے اس کی ہدایت کے لیے استعمال کریں گے، تو ایسے مواقع پر مسئلہ برعکس ہوگا۔

مسلم جوانوں کے نام پیغام

سوال: اجتماعی اور عقیدتی میدانوں، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں حضرتِ عالی کا جوانوں کے نام کیا پیغام ہے؟

جواب: سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ مسلم نوجوانوں کو اسلام کا سچا معتقد اور مومن ہونا چاہیے اور دل میں دین کا درد رکھنا چاہیے۔

انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، عمیق اور ظرافتوں کا مالک دین ہے اور اس کے اندر تمام انسانوں کی اجتماعی، سیاسی، تربیتی، معاشی، ثقافتی، عسکری، معنوی، مادّی، جسمانی اور روحانی ضروریات کا سامان موجود ہے۔ مسلمان کو ہوشیار رہنا چاہیے اور عالمی صورتِ حال کو خوب سمجھنا چاہیے، فرض کرنا چاہیے کہ اگر پیغمبر اسلامؐ اس وقت ہوتے یا جس رسالت کے پیغمبر اسلامؐ حامل تھے، وہ بھی اسے محسوس کرتا ہے، تو اس وقت موجودہ عالمی صورتِ حال کے پیشِ نظر اسے کیا کرنا چاہیے؟

ہم پر لازم ہے کہ سوچیں کہ لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے اسلام کی

طرف کس طرح دعوت دی جا سکتی ہے؟

ہم پر لازم ہے کہ اسلام و مسلمین کو اہمیت دیں اور مسلمانوں کی فکر میں رہیں: مَن لَم یَھتَمّ بِاُمُورِ المُسلِمِینَ فَلَیسَ بِمُسلِمٍ. (جو بھی مسلمانوں کے امور کو اہمیت نہ دے مسلمان نہیں ہے)

ہم پر لازم ہے کہ بلند نگاہی کے مالک ہوں اور دنیا کی نسبت جامع فکر رکھیں۔ اس وقت جبکہ دشمن کی کوشش یہ ہے کہ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے، ہمیں چاہیے کہ چھوٹے اور نا قابلِ توجہ اختلافات کو ہوا نہ دیں۔ اس طرح ہم ہرگز یہ کہنا نہیں چاہتے کہ جو مسائل شیعوں اور اہلِ تسنن کے درمیان ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں، یا چھوٹے ہیں اور یہ بھی نہیں کہنا چاہتے کہ جو مسائل خود شیعوں کے اندر ہیں، وہ چھوٹے اور کم اہمیت ہیں، بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ دشمن دروازے پر کھڑا ہے، ہماری گھات میں ہے اور ہم پر مسلسل نظر رکھے ہوئے ہے۔ لہٰذا ہمارا چھوٹے اور جزوی اختلاف کو اچھالنا درست نہیں ہے۔

ہمیں اسلام اور مسلمین کی مصلحت کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ ہم بہت زیادہ تجربات کے بعد اس منزل پر پہنچے ہیں کہ ہم بہت پسماندہ ہیں اور ایک چھوٹا سا مسئلہ بھی ہمارے لیے بڑی مشکل کھڑی کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم عالمی استکبار، مستکبرین اور عالمی لٹیروں کو بھول جاتے ہیں اور بہت سی چھوٹی مشکلیں خطرناک اور کمر شکن مشکلات میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور یوں نظر آتا ہے کہ گویا ہماری کوئی مشکل ہی نہیں سوائے جزوی مشکلات کے حل کے یا سوائے ان چھوٹے اور جزوی دردوں کے علاج کے کوئی اور درد ہی ہمیں لاحق نہیں ہے۔

وَالسَّلامُ عَلَی مَنِ اتَّبَعَ الھُدَیٰ

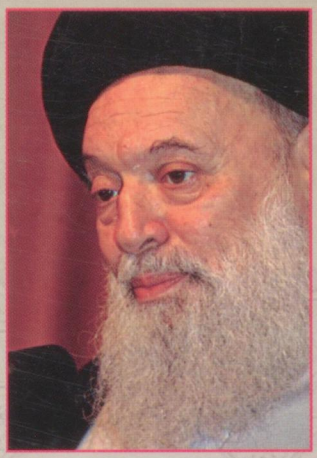

آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین فضل اللہ

فقیہ و مجتہد آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین فضل اللہ، ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں شہر علم و عرفاں نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے والدِ گرامی آیت اللہ العظمیٰ سید عبدالرؤف فضل اللہ، آیت اللہ محمود شاہرودی، آیت اللہ شیخ حسین حلی، ملا صدر البازودی، آیت اللہ العظمیٰ سید محسن الحکیم اور آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم خوئی کے حضرِ درس سے کسبِ فیض کیا۔

آپ نے نجف اشرف میں فکری تربیت اور جدید اندازِ تبلیغ کے سلسلے میں پائے جانے والے خلاء کو محسوس کرتے ہوئے فکری اور تربیتی سرگرمیوں کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا۔ ''جماعت العلماء'' کے مجلّے ''الاضواء'' کا آغاز ہوا تو آپ آیت اللہ العظمیٰ شہید سید محمد باقر الصدرؒ اور آیت اللہ شیخ محمد مہدی شمس الدینؒ کے ہمراہ اس مجلّے کی ادارتی ٹیم میں شامل تھے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس مجلّے کے پہلے سال اس کا اداریہ ''رسالتنا'' کے عنوان سے آیت اللہ العظمیٰ شہید سید محمد باقر الصدر تحریر فرماتے تھے، پھر دوسرے سال سے مسلسل چھے سال تک ''کلمتنا'' کے عنوان سے اداریہ آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین فضل اللہ تحریر کرتے رہے۔

آیت اللہ العظمیٰ شہید سید محمد باقر الصدرؒ اور آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین فضل اللہ کی یہ رفاقت، ہمراہی اور ہمکاری فکری، تعلیمی اور تربیتی میدانوں کے ساتھ ساتھ سیاسی اور اجتماعی معاملات میں بھی جاری رہی۔

۱۹۶۶ء میں شیعیانِ لبنان کی ایک کثیر تعداد کے اصرار پر آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین فضل اللہ، نجف اشرف سے لبنان تشریف لے گئے، اور اس وقت سے آج تک آپ وہاں قرآنی تعلیمات کی بنیاد پر کئی نسلوں کے نوجوانوں کی تربیت کر چکے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہاں کئی فلاحی منصوبے بھی آپ کی نگرانی میں کام کر رہے ہیں جن میں متعدد ہسپتال، اسکول اور یتیم خانے شامل ہیں۔

اب تک مختلف موضوعات پر آپ کی ۷۰ سے زائد تالیفات منظر عام پر آ چکی ہیں، جن میں ۲۵ جلدوں پر مشتمل تفسیر ''من وحی القرآن'' کے علاوہ فقہ کے درسِ خارج پر آپ کی تقریرات پر مبنی ۱۰ کتب بھی شامل ہیں۔

آپ کے دینی، تعلیمی، فکری، تربیتی، سیاسی اور فلاحی کاموں کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کا مکمل احاطہ یہاں ممکن نہیں۔ یہاں ہم صرف اسی قدر کہنے پر اکتفا کریں گے کہ آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسین فضل اللہ ہمارے دور کے انتہائی مستعد اور فعال مجتہد ہیں۔

آپ کا شمار احیائے اسلام کے لئے سرگرمِ عمل اسلامی تحریکوں کے فکری قائدین میں ہوتا ہے۔ صہیونی ایجنٹ اب تک تین مرتبہ آپ پر قاتلانہ حملے کر چکے ہیں۔ دو مرتبہ یہ حملے مکمل طور پر ناکام رہے جبکہ ۱۹۸۵ء میں کئے جانے والے ایک حملے میں آپ مجروح ہوئے۔